مصنّف کے دیگر کتب

نمبر	کتاب	ہدیہ
۱	مسلمانوں کے زوال کے اسباب علامہ اقبال کی نظر میں کل کا مومن اور آج کا مسلمان	۳/- روپیہ
۲	فلسفۂ لا الٰہ الا اللہ ، فلسفۂ محمد رسول اللہ اور علامہ اقبال فلسفۂ نماز، روزہ، حج، قرآن اور مسلمان	۴/- "
۳	مسلمانوں کے تکلیف دہ روحانی زوال کا حل، سورہ قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص) میں مضمر ہے۔ علامہ اقبال کی لاجواب تفسیر و مثالیں	۴/- "
۴	آج کے مسلمان کے سوچنے کا انداز اور علامہ اقبال کا تردّد (بار دوم بہ تبدیلی نام)	۳/- "
۵	مسلمانوں کے عہد زوال میں عورت کا رول وحصہ علامہ اقبال کے نظریات	۶/- "
۶	فلسفہ زندگی اور موت از روئے قرآن اور فرامینِ مصطفوی صلعم اور علامہ اقبال	۴/- "
۷	فلسفۂ جہاد از روئے قرآن اور فرامین مصطفوی صلعم اور علامہ اقبال	۴/- "
۸	فلسفۂ شہادت امام حسین عالی مقام اور علامہ اقبال	۴/- "
۹	مسلمانوں نے ہندوستان آکر کیا دیکھا کیا پایا کیا کھویا اور نظریات علامہ اقبال — حصہ اول	۶/- "
۱۰	" " " " " " " — حصہ دوم	۶/- "
۱۱	گلستانِ احادیث جز اول یعنی چہل حدیث (حصہ اول تا چہارم) اور علامہ اقبال	۴/- "
۱۲	گلستانِ احادیث جز دوم یعنی چہل حدیث (حصہ اول تا سوم) اور علامہ اقبال	۴/- "
۱۳	شانِ محمدؐ کیا کہئے شانِ غلاماں سن لیجیے	۳/- "
۱۴	والدین کے حقوق قرآن اور فرامینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں	۴/- "
۱۵	خون کے آنسو ہی آنسو اور مسلمان اور علامہ اقبال	۱۲/- "
۱۶	گلدستہ حمد و گلستانِ نعتؐ	۴/- "
۱۷	مسلمانوں کے عہد زوال میں علماء کا رول و حصہ	۱۰/- "

بیمار مسلمان قوم کے لئے علامہ اقبال کا نسخۂ شفا کا سلسلہ نمبر پنجم (حصہ اول)

مسلمانوں کے عہدِ زوال میں
عورت
کا رول و حصہ

اور علامہ اقبال کا نقطۂ نظر اور تاریخ کے چند اوراق

— کتاب کی جھلکیاں —

- عام عورت اور اسلام کی بیٹیاں
- عہد زوال میں ذہن کا زاویہ
- اسلام نے ہی عورت کو اس کا حق دیا
- ہماری حکومت اور عورت
- مسلم پرسنل لاء
- مسلم عورت چار سو سالہ تاریخ کے آئینہ میں
- عورت قوم کی امین ۔ وغیرہ وغیرہ

محمد جمیل الدین صدیقی

سپرنٹنڈنٹ ہائیکورٹ حیدرآباد (اے پی)
(ریٹائرڈ)

بار اول اکتوبر ۱۹۸۷ء بار دوم جولائی ۱۹۹۱ء

ہدیہ سات روپے Rs. 7/=

رحمن پبلیشر 525-1-23 بی بی بازار نزد کوٹلہ عالیجاہ، حیدرآباد۔ اے۔پی (انڈیا)

بار اول ایک ہزار بار دوم ایک ہزار

فہرست مضامین

سلسلہ نمبر	عنوان	صفحہ
۱	عام عورت، علامہ اقبال کی نظر میں	۱
۲	مقامات عورت	۲
۳	فلسفۂ عورت بحیثیت خیر و شر	۳
۴	عورت کی خرابی میں مرد برابر کا شریک	۴
۵	اپنے آپ ذمہ دار	۴
۶	اسلام کی بیٹیاں پردہ اور لباس و سنگار	۶
۷	تعلیم نسواں اور علامہ اقبال	۸
۸	مقام و آزادی نسواں	۹
۹	یورپ میں عورت کا مقام ماضی و حال میں	۱۰
۱۰	یورپ میں عورت کا موجودہ مقام اور ہندستان کی تقلید	۱۰
۱۱	دنیا کے دیگر ممالک میں عورت کی حیثیت و مقام	۱۲
۱۲	ہندستان اور عورت ماضی کے آئینہ میں اور اسلام سے تقابل	۱۳
۱۳	وجیانگر کی سلطنت اور ستی کی رسم ایک مرد کیلئے ہزار ہا عورتیں ستی	۱۴
۱۴	آزادی و حقوق نسواں مداخلت "مسلم پرسنل لا"	۱۵
۱۵	مسلم خواتین طالب آزادی اور رجوع از صدر جمہوریہ، عدالت، حکومت	۱۷
۱۶	ہماری حکومت اور عورت	۲۱
۱۷	آج کل عورت اپنا مقام گرا رہی ہے	۲۴
۱۸	ایک نظر ماضی پر	۲۵
۱۹	دور شاہی اور دور جمہوری میں عورت	۲۶
۲۰	بعد طلاق نفقہ خودی کی موت ہے	۳۵
۲۱	طلاق کے بعد عورت کی کفالت کون کرے؟	۳۷
۲۲	حقیقی حل سنت میں مضمر	۳۹
۲۳	ایک غلطی کا ازالہ کہ مرد ہی ظالم	۴۰
۲۴	زوال پذیر قوم کی عورت اور جہیز	۴۵
۲۵	حالات نکاح دختر دلبر رسول مقبول صلعم	۴۶
۲۶	دو جہاں کے مالک کی بیٹی کی شادی کا علم	۴۸
۲۷	سولہویں صدی سے مسلمان خواتین کا ایک تاریخی چار سو سالہ جائزہ	۵۱
۲۸	شہنشاہ ابراہیم لودھی کی ماں	۵۱
۲۹	سلطنت احمد نگر کی بہادر عورتیں	۵۶
۳۰	عہد زوال کی ایک عورت حیات بخش بیگم	۵۹
۳۱	مہ لقا بائی چندا شاہان نظام حیدرآباد و امرا عظام علماء و سلطان ٹیپو شہید	۶۲
۳۲	خوب و نا خوب	۶۳
۳۳	مہ لقا چندا بائی اور اس کا خاندان	۶۳
۳۴	ایک غلطی کا ازالہ	۶۴
۳۵	عبرت و تنبیہ	۶۵
۳۶	میدہ بی بی راجہ کے محل میں	۶۶
۳۷	چندا بائی مہ لقا کی پیدائش	۶۸
۳۸	سلطان ٹیپو شہید اور نظام دکن	۷۵

عام عورت

علامہ اقبال کی نظر میں

علامہ اقبال عورت کو دو حیثیت سے دیکھتے ہیں (۱) عام عورت جس پر ضرب کلیم میں روشنی ڈالی ہے اور اس میں آزادی نسواں اور خودی پر بھی لکھا ہے (۲) اسلام کی عظمت مآب پردہ نشین خواتین جن کی عظمت، بلندیاں آسمان کی بلندیوں کو حیران کر دیتی ہیں اور جن سے قوم کو بڑی بڑی توقعات وابستہ رہتی تھیں اور ہیں ان بلند کردار اعلیٰ مقام اسلام کی بیٹیوں کی شان ظاہر کرتے ہوئے "رموز بیخودی" میں علامہ جن اسلام کی بیٹیوں سے مخاطب ہیں اس کا تذکرہ اپنے وقت پر آئے گا۔

وجودِ زن

علامہ کی نظر میں عام عورت کا مقام بھی بہت اونچا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کائنات میں حسن و دلکشی ہے تو وجودِ زن سے ہے۔ عورت نہ ہوتی تو یہ کائنات بے کیف سی بن کر رہ جاتی۔ علامہ انسان کی زندگی کا سوز و گداز زندگانی کا کیف صرف وجودِ زن سے بتلاتے ہیں اور عورت کو اس ساز سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ وہ ساز ہے جو درحقیقت زندگی کو ایک سرور و سوز باطنی بخشتا ہے۔ حقیقت میں علامہ نے عورت کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھا ہے، عام انسانوں کی طرح آپ کی نظر میں عورت صرف ایک خواہشات کی تکمیل اور شاعروں کے نقطہ نظر کی طرح عورت عشق و عاشقی کا عنوان نہیں ہے اسی لئے دوسرے شاعروں کی طرح حضرت علامہ کی نظر میں عورت کے زلفوں میں جاکر الجھ نہیں جاتیں اور نہ وہ عورت کو معدوم کمر کہہ کر خوش ہوجاتے ہیں۔ اور نہ ہی عورت کی آنکھوں کو آہو چشم کہکر آپ مسرور ہوتے ہیں۔ آپ عورت میں ہرن کے آنکھ نہیں بلکہ اشرف المخلوقات کو جنم دینے والی عظیم المرتبت ماں کی ممتا بھری آنکھ دیکھتے ہیں اور پھر عفت مآب بیوی کی وہ آنکھیں آپ کو عورت میں نظر آتی ہیں جو شوہر کے گھر کو ضیاء بخشتی اور پھر ماں بن کر حقائق کی روشنی سے اولاد کو آشنا کرتی ہیں۔ حضرت اقبال عورت کے اندر کی پر وقار عورت کے سامنے اس کے اعزاز میں اپنا سر خم کرتے نظر آتے ہیں وہ عورت کے چہرے کو چاند رخسار کو گلاب سے تشبیہہ دیکر قد و قامت کی تعریف کرتے اور بے خود ہوتے کبھی نظر نہیں آتے بلکہ ایسے شاعروں پر ماتم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہند کے شاعر و صورت گر افسانہ نویس ؎ آہ لیے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

حضرت اقبالؔ اپنی گہری اور عمیق نظریں عورت کی آنکھوں میں ڈال کے دیکھتے ہیں تو وہ ان کو اسقدر مقدس نظر آتی ہے کہ کہتے ہیں یہ دیکھنے کو ایک مٹھی بھر خاک ہے لیکن اس مشتِ خاک کی ہستی اور اس کے مقام سے تو ثریا کی بلندیاں بھی شرما رہی ہیں اس کا شرف اس کی بزرگی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے وہ کائنات کے زیور رکھنے کے ایک ڈبہ کی ایک ایسی پوشیدہ موتی ہے جس کی آب و تاب و قیمت بیش بہا بلکہ ناقابلِ قیاس ہے عورت ایک عظیم فلسفہ ہے۔ ایک ایسا فلسفہ کہ افلاطون جیسی ہستی بھی اس فلسفہ کی تہہ کو کما حقہ پا سکی نہ پہونچ سکی اور افلاطون جیسے فلسفی کو جنم دینے والی یہی عورت کی مقدس ذات ہے ان بلند خیالات کو یوں ادا فرماتے ہیں۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ ؎ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اسکی ؎ کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن ؎ اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطون!

مقاماتِ عورت

حضرت اقبال کی پاک اور عمیق نظروں میں عورت ایک مجسمہ خیر ہے۔ آپ کی نظریں ظاہری عام عورت پر نہیں بلکہ اس میں پوشیدہ مقدس عورت کو دیکھ رہی ہیں جو عورت کی ذات میں کئی حسین پہلو کئی مقدس روپ کئی مقدس اندازِ زندگی لی ہوئی پوشیدہ ہے کبھی بیوی کے روپ میں سراپا وفا و ناز و حسن اور مجسمہ شرافت و سلیقہ بن کر گھر میں ضیا پاشیاں کرتی اور شوہر کی زندگی میں وہ نور بکھیرتی ہے کہ اس کی ان ضیاؤں کے آگے آفتاب و ماہتاب کی ضیا پاشیاں بھی سرنگوں نظر آتی ہیں اور اسکی عظمت عصمت و عفت کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ کبھی وہ بہن کے روپ میں سراپا پاک محبت بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے تو کبھی بیٹی کی معصوم اور محبت بھری صورت لئے دل کی ٹھنڈک بن کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حسین مقدس بلند انوکھا روپ جس میں وہ نمودار ہوتی ہے وہ روپ ماں کا روپ ہوتا ہے۔ عورت ماں کا روپ لئے ملائک سے ہمکلام ہو کر پوچھتی ہے۔ اے فرشتو! تم صرف ذاتِ الٰہی کے فرمانبردار ہو مگر اس جذبہ محبت سے جس جذبہ محبت کے تحت خلاق اعظم اپنے بندوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اس جذبہ محبت سے تم محروم و ناآشنا ہو اس کی جھلک تم کو دیکھنی ہو تو میری ذات میں دیکھو ایک ماں کے روپ میں میں ہی تو دراصل تو تم کی امین ہوں اور تم کو اسکی امانت نہایت ہی

حسین انداز سے بعد جنم پرورش کر کے اور طفلِ شیر خوار کو آدمی کا روپ دے کر اور ذریعہ تربیت و تعلیم اس کو انسان بنا کر بلکہ کیوں نہ کہوں اے فرشتو! کہ تم سے بھی اونچا انکو مقام دے کر قوم کے حوالے کرتی ہوں۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا میں جو لوگ بڑے گذرے ہیں دراصل وہ عظیم نہیں تھے بلکہ ان کو عظیم بنانے والی ان کی مائیں عظیم تھیں۔ اس سلسلہ میں اسی کتاب میں مختلف خواتین کی بزرگی کے تعلق سے مضامین قارئین کے زیرِ مطالعہ آئینگے جس سے علامہ کے اس دعوے کی تائید ہوگی جیسا کہ خود انہوں نے اپنی ماں کے تعلق سے فرمایا ہے۔

تربیت سے تری میں انجم کا ہم قسمت ہوا ؎ گھر میرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تری حیات ؎ تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تری حیات

شاعرِ مشرق کی نظر میں ایک عورت ہی ہوتی ہے اور وہ کبھی ماں کے روپ میں کہ وقت کی پرواز کا رُخ بدل کر بڑے سے بڑے فلسفی کو حیران کر دیتی ہے اپنی ماں کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا ؎ رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا ؎ عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں ؎ بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیٔ گفتار کے ؎ بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے

حضرت اقبال کی نظر میں عورت جب ماں کا روپ لے کر نمودار ہوتی ہے تو اس کا مقام اس قدر اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے کہ اس کے حضور نہ کوئی عالم عالم رہتا ہے اور نہ کسی بادشاہ کی شان و شوکت ماں کے دربار میں آکر باقی رہتی ہے بلکہ ایسی ماند پڑ جاتی ہے جیسے سورج نکل آنے پر چاند ستارے اپنی چمک کھو دیتے ہیں جو خود اس سے لی ہوئی ہوتی ہے۔ اب علامہ کا اندازِ بیان ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور ؎ دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم ؎ صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

فلسفۂ عورت بحیثیت خیر و شر

قیام دنیا سے آج تک ہزاروں صاحب فہم اور عقلمندوں نے عورت کے مقام اعلیٰ و ادنیٰ کو سمجھنے اور

حل کرنے کی کوشش کیں لیکن یہ مسئلہ حل ہوتا بقول علامہ اقبال نظر نہ آیا کہ آیا عورت مجسمہ شر ہے یا مجسمہ خیر۔ عورت کو جن لوگوں نے حسن بیچتے حسن کا بازار سجاتے اور اپنا سودا کرتے دیکھا تو عورت کو کچھ ادنیٰ ہی سمجھ بیٹھے مگر حضرت علامہ کی نظر میں عورت خیر ہی خیر ہے اگر عورت ان مقام ادنیٰ پر نظر آرہی ہے تو علامہ کا یقین ہے کہ اس خرابی میں اس کا تصور نہیں ہے۔ عورت کی شرافت کی زندگی گذارنے کے تو مرد پیردین جو صدیوں سے زمین پر نظریں جمائے ہوئے ہیں گواہی دے سکتے ہیں یہ فساد عورت میں پیدا کیا گیا ہے اسکو اس کے مقام اعلیٰ سے گرا کر معاشرت کی جال میں پھنسا کر سماج میں ذلیل و خوار کیا گیا ہے۔ مرد سادہ بیچارہ عورت کو اس مقام پر دیکھکر اسکو سمجھنے کے بجائے اسکے بارے میں حُسنِ ظن سے محروم ہورہا ہے یہ دراصل عورت کی خرابی نہیں بلکہ فرنگی معاشرت کا تصور ہے جو صدیوں سے کسی نہ کسی روپ و نام سے نمایاں اور اپنی کارفرمایان دکھارہی ہے۔ جو عورت کو اس مقام ادنیٰ پر لا کھڑا کرتی ہے کہ الاماں والحفیظ۔ علامہ ان خیالات کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں۔

ہزار بار حکیموں نے اسکو سلجھایا ؎ مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
تصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں ؎ گواہ اس کی شرافت پر ہیں مہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور ؎ کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

عورت کی خرابی میں مرد برابر کا شریک

یہ غلط فرنگی معاشرت کو اپنانے اور آزادی بیجا کا تصور ہے کہ عورت اپنے اندر کی پاکیزہ عورت کا قتل کر ڈالتی ہے جس کی شرافت کے مہ و پروین گواہ تھے مرد بالکل سادہ مزاج ہے وہ اس حقیقت اور عورت کو پہچاننے کی کوشش کرنے کے بجائے اس کو غلط اور حقیر سمجھ بیٹھا ہے اور اٹھانے کی کوشش کرنے کے بجائے اس کے وجود کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ اس خرابی میں وہ برابر کا حصہ دار ہے اور اس مقام پر عورت کو لانے کا بلاشبہ ذمہ دار۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا کہ حسن اسی وقت حسن کی دوکان سجاتا ہے جب کہ کوئی پرستار حسن اور خریدار حسن ہو، طوائف کے کوٹھے جو حسن باطل کی دوکانیں ہوتی ہیں ان کو چمکانے والے بھی باطل پسند بیوقوف مرد سادہ ہی تو ہیں حضرت علامہ کے نقطۂ نظر سے یہ وہ مرد ہیں جو عورت کے مقام اعلیٰ کو سمجھ نہیں پاتے اور نہ ہی اپنے مقام کو۔ اگر وہ سمجھ پاتے تو عورت کو یقیناً اس مقام سے ہٹا کر ایک مقام اعلیٰ اور عزت کے مقام پہ فائز کرکے ہی چین لیتے۔ فرنگی اور یورپ کی معاشرت

کے بارے میں بہ بانگِ دہل اعلان فرماتے ہیں کہ اس معاشرت نے مرد کو ہی کام کا نہیں رکھا بلکہ عورت کو بھی تہی آغوش کر دیا۔

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ؎ ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش!
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال ؎ مرد بیکار و زن تہی آغوش!

یورپ کی معاشرت نے جہاں مردوں کو عقل سے اور نیک اعمال سے محروم کر کے ناکارہ بنا کر رکھ دیا اور عورت کا آغوش بھلائیوں سے خالی کر کے برائیوں سے بھر دیا۔ بہر حال حضرت اقبال مرد کو کسی صورت عورت کی خرابی و بربادی میں بری الذمہ کرنے تیار نہیں۔ آپ کا بس یہی پختہ یقین ہے کہ مرد ہی کی وجہ سے عورت بگڑی ہے۔ مرد بہر صورت عورت کا محافظ ہے صرف اس کی جان و مال کا ہی نہیں بلکہ عزت و آبرو اور اس کے کردار کا بھی۔ اگر عورت کے کردار میں گراوٹ آئے تو مرد اس سلسلہ میں اپنے آپ کو بے قصور قرار دے تو بلا شبہ اسکی رگوں کا لہو سرد ہو گیا۔ سمجھا جائے گا اس زندہ حقیقت کو یوں سمجھاتے ہیں۔

ایک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور ؎ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی ؎ نسوانیتِ زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا ؎ اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

اپنے آپ ذمہ دار

علامہ کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ایک ایسی بھی منزل آتی ہے کہ عورت ہو کہ مرد ہر ایک کو اپنی خرابی کی ذمہ داری آپ قبول کرنی پڑتی ہے۔ یہ منزل ہوتی ہے اپنی خودی سے بے خبر رہ کر اپنی خودی پہ پردوں کا ڈال رکھنا اس نوبت پر نہ عورت اپنی ذمہ داری سے بری ہو سکتی ہے نہ مرد۔ مرد اور عورت دونوں کو اپنے اپنے اندر جھانکنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مرد کو اپنے اندر کے حسین کردار مرد کی تلاش کرنی پڑتی اور اندر کے نیک ستودہ صفات خفتہ مرد کو جگانا خودی کو بیدار کرنے ضروری ہو جاتا ہے تو اسی طرح عورت کو بھی اپنے اندر کی پاکیزہ عورت کو جو بے ہوش پڑی ہے عقل اور حیاء کا پانی اس کے منہ پہ پھینک پھینک کر ہوش میں لانا ضروری ہے اب دیکھئے حضرت اقبال کا انداز بیان سے

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے ؎ خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے ؎ وہ خلوت نشین ہے یہ خلوت نشین ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم ؎ کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

علامہ کا ایک ہی نعرہ ایک ہی آواز ایک ہی اظہار صداقت اور ایک ہی اظہار حقیقت ہر وقت ہے کہ مرد و عورت کو اپنے مقامات کو جاننے اور پہچاننے کے لئے خودی سے آگاہ و واقف رہنا اور پہچاننا ضروری ہے ورنہ ــــــــــ

اس کے تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے ؎ قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

اسلام کی بیٹیاں

پردہ' لباس اور سنگار

علامہ اقبال فرماتے ہیں!

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے ؎ ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر!
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے ؎ وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر!
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر ولیکن ؎ خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

اللہ پاک سورہ النور (سورت ۲۴ پارہ ۱۸) میں فرماتے ہیں۔

(اے پیغمبرؐ!) مسلمان مردوں کو حکم دیجئے اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ چیز خود ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ کو خبر ہے ان کے کاموں کی اور اے پیغمبر! مسلمان عورتوں کو حکم دیجئے کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی (عفت) کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر رہے اور ڈوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں یعنی اپنے سینے دوپٹے سے چھپا رکھیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنھیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار۔"

قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے بے حیائی کے تعلق سے نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں دونوں کو پابند فرما دیا ہے۔ اور عورت پر کوئی ایسا ظلم ہی روا نہیں رکھا کہ وہ اپنا سنگار ہی نہ کرے بلکہ کس قدر وضاحت سے ظاہر فرما دیا کہ کن کن کے سامنے سنگار کی حالت میں عورت

جاسکتی ہے پھر یہ کہنا کہ اسلام عورتوں پر ظلم کرتا ہے اور آزادی نہیں دیتا یہ دشمنانِ اسلام کی ایک چال ہے اور اسلام کی بیٹیوں کو اسلام سے ہٹا کر بے حیائی کے اس راستہ پر ڈالنے کی کوشش جس جانب وہ خود عالم بے حیائی میں بڑھ رہے ہیں اور وہ بھی بغیر شرم وحیا کے۔ چھپ کے نہیں بلکہ آشکارا۔ ذریعہ کلبؔ ذریعۂ لباس، پھر قرآن حکیم میں اللہ پاک پیغمبر خدا کی بیویوں سے یعنی مسلمانوں کی ماؤں سے سورہ الاحزاب جو قرآن حکیم کی (۳۳) سورت اور پارہ (-۲۲) میں ارشاد فرماتے ہیں

"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔"

ترجمہ :۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو۔ جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔

— اگلی جاہلیت کی بے پردگی سے مراد ہے قبل اسلام کا دور جب کہ عورتیں اپنی زینت دکھار کا غیر مردوں کے سامنے اظہار کرتی اتراتی نکلتی تھیں اور لباس ایسا کہ جسم کے اعضا اچھی طرح نہ ڈھکیں۔ رسول خدا صلعم نے مردوں کو فرمایا :۔ جب کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو اپنی نگاہ پھیر لو۔ ارشاد مصطفویؐ ہے۔ عورت کے لباس کے تعلق سے "اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں"۔

حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا ؎ سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
گزر گیا وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے ؎ بنے گا سارا جہاں میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر بسیں گے ؎ برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خار زار ہوگا

اسلام کے بعد برائی نے سر بھی اٹھایا ہے تو شرم وحیا کے ساتھ پوشیدہ چھپ چھپا کے ڈرتے گھبراتے مگر اب بے حیائی نے فیشن نام پایا۔ بے حیائی اور برائی اور گندگی کو منظر عام پر آرٹ کا نام دے کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ دیکھنے کو آب وتاب مگر سیاہی ہی سیاہی۔ گندگی ہی گندگی۔ پھر تلوب سیاہ مکدّر۔ علامہ فرماتے ہیں۔

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے ؎ روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدّر

حضرت اقبالؒ نے تعلیم ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء یورپ میں پائی تو اسلام کے اصول آپ کے سمجھ میں آئے اور یورپ کی تہذیب سے آپ کو نفرت سی ہوگئی۔ آپ جلوہ عام اور بے حیائی کے قائل نہ رہے اور اسلام کے پردہ اور لباس اور احکام کی حقیقت آشکارا ہوگئی۔

تعلیم نسواں اور علامہ اقبال

تعلیم نسواں کا جہاں تک سوال ہے علامہ اقبال اسلام کے اس نقطۂ نظر اور احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں کہ علم کا حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر لازم ہے مگر ایسی تعلیم کے قائل نہیں جو عورت کو عورت رہنے نہ دے وہ تعلیم جو مذہب سے دوری پیدا کرے ہمہ اقسام کے خامیوں سے ہمکنار کر دے عزت آبرو ناموس کی حفاظت نہ کرے ایسے نظام تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں یہ وہ نظام تعلیم ہے جو سکھاتا ہے ع

"انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ"

پھر فرماتے ہیں :-

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل ؎ دنیا تو ملی طائرِ دیں کر گیا پرواز

علامہ کا نظریہ ہے کہ جب مذہب کی بنیاد ہل جائے گی اخلاق کا وجود باقی نہ رہے گا تہذیب اعلیٰ و روایات زرین کی دیوار گر جائے گی تو یہ جمعیت اور ملت کی تباہی کا وہ آغاز ہوگا جس کی انتہا ناقابلِ قیاس اور ناقابلِ بیان حد تک خوفناک و خطرناک نتائج کی حامل ہوگی اور خصوصاً جب عورت کے اعتقادات کی بنیاد لرز جائے ہل جائے تو قوم کا بس سمجھ لو کہ خدا ہی حافظ ہے چونکہ عورت کا آغوش قوم کا مکتب اولین ہوتا ہے اگر اس مکتب کے در و دیوار لرز جائیں یعنی قوم کا معمار اولین ہی قوم کی دیوار کی پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھدے تو دیوار آسمان تک بھی اٹھائی جائے گی تو وہ ٹیڑھی ہی ہوگی۔ اور یقیناً ناپائیدار۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی ؎ دیں زخمہ ہے، جمعیت ملت ہے اگر ساز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی ؎ ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ؎ کہتے ہیں اس علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ؎ ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

حضرت اقبال کا آخری فتویٰ یہ ہے کہ اگر فرنگی تعلیم بھی حاصل کرنی پڑ جائے تو

جوہر میں لا الٰہ ہو تو کیا خوف ؎ تعلیم ہو گر فرنگیانہ

اگر خدا کی وحدانیت اس کا خوف اور مذہب کے احکام دل و دماغ میں گھر کر جائیں تو پھر کوئی تعلیم نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ برائی سے بچاتی اور اچھائی کی تلاش کرواتی ہے اگر فطرت کے جوہر میں لا الٰہ کا پتہ ہی نہ ہو تو پھر تعلیم فرنگی ہو کہ ہندی۔ ایسے نظام کے بارے میں پھر

وہی فرماتے ہیں۔ یہ وہ نظام تعلیم ہے جو سکھاتا ہے۔ ع "انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ"۔
اور یہ فرنگی نظام تعلیم کے مدرسے :۔

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر ☆ چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام!
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق ☆ عقل بے ربطیٔ افکار سے مشرق میں غلام!
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ☆ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما ☆ لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
تخم دیگر بکف آریم و بکاریم زنو ☆ کانچہ کشتیم زخجلت نتوان کرد درو

مقام و آزادی نسواں اور علامہ اقبال

علامہ بال جبریل میں فرماتے ہیں :۔

جو دوئی فطرت سے نہیں لائق پرواز ☆ اس مردک بے چارہ کا انجام افتاد!
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امیں کا ☆ ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد!
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک ☆ جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد!
گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ ☆ آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد!

جیسا کہ "اسلام کی بیٹیاں پردہ لباس" کے مضمون میں قرآن حکیم کی آیات درج کی گئی ہیں ظاہر ہو گیا ہو گا کہ قبل از ظہور اسلام یعنی زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسا نیم برہنہ لباس پہن کر اتراتی تھیں جس سے ان کے نشیب و فراز مردوں کو راغب کرنے کا ذریعہ اور سبب بن جاتے تھے ان کی بے حیائی کے انداز غیور اور ناسمجھ بالوں کے لئے ناقابل برداشت و رسوائی کا سبب بن جاتے تھے۔ وہ بجائے اصلاح کی طرف مائل ہوتے پیدا ہوتے ہی بچیوں کو دفن کر دیتے تھے جو باپ بیٹیوں کو دفن نہیں کرتے تھے مگر بیٹی کی پیدائش کی خبر سے ان کی کیا حالت ہو جاتی تھی اسکے لئے قرآن بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

(پارہ ۱۴ ع ۱۳) ترجمہ : اور جب ان میں سے کسی کو عورت (یعنی بیٹی) کی پیدائش کی خبر دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ اس خبر کی وجہ سے اور شرم و عار کی وجہ سے لوگوں سے چھپا پھرے کہ اس کو ذلت نصیب ہوئی یا اس بچی کو مٹی میں گاڑ دے۔ خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے۔ مندرجہ بالا آیت قرآنی سے عورت کا مقام عرب میں ایام جاہلیت میں کیا تھا معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام نے اس نازیبا حرکت سے

منع کیا ہے۔ دنیا کے دوسرے مقامات پر جو آزادئ نسواں کے نعرے لگاتے ہیں عورت کا مقام کیا تھا اور ہے پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

یورپ میں عورت کا مقام ماضی و حال میں

آج یورپ میں عورت بقول حضرت علامہ اقبال

بے ہنگام انکار کی آزادی کی حامل بن کر جیسا کہ ابتدائیں ہی لکھا گیا ہے۔ ع
"آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد" کی منزل پر ہے دور کی بات نہیں ایک صدی ڈیڑھ صدی قبل یورپ میں مرد کے مظالم کا عورت شکار تھی اور کوئی ایسا قانون نہیں تھا جو مرد کے مظالم سے عورت کی حفاظت کرتا۔ عورت کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر تھی نہ وراثت میں عورت کا حصہ تھا۔ بیوی کی زندگی ہی میں اس کی جائیداد کا مالک بلکہ عورت ہی کا مالک شوہر اپنے آپ کو سمجھتا تھا گویا خود عورت اس کی جائیداد تھی حالانکہ یہ وہ دور تھا جب یورپ تمدن سے کافی آشنا ہو چکا تھا بعد میں عورت کو ردعمل کے طور پر جو افکار و حرکات کی آزادی برہنگی اور ڈانس کا تحفہ آزادی نسواں کا نام دیکر دیا گیا۔ اس آزادی کا درحقیقت بقول علامہ یہ حال ہے کہ۔ ع ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

یورپ میں عورت کا موجودہ مقام اور ہندستان کی تقلید

آج کی یورپ کی ترقی کا علامہ یوں ذکر کرتے ہیں۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

یورپ کی مندرجہ بالا انداز سے ترقی کے دور میں عورت کا یہ حال ہے کہ عورت صرف ایک کھلونہ بن کر آزاد ہے۔ یورپ کی آزادی نسواں کی حامل عورت سے مراد ہے اپنے جسم کی نمائش کرنے جسم فروخت کرتے حسن اصلی اور جذبات صحیح سے محروم ہو کر میک اپ کرنے، بوسہ بازی ڈانس اور شراب کے ذریعہ عیاشی کی دنیا جگانے کا۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں۔

مے خانے یورپ کے دستور نرالے ہیں ؎ لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام ؎ غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
وہ قوم کے فیضان سماوی سے ہو محروم ؎ حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

عورت کو یورپ میں جو مقام دیا گیا ہے اور جو آزادی عطا کی گئی ہے وہ یہ کہ گھریلو بندھن اور پرورش اطفال کی ذمہ داریوں سے آزاد رہے اس کو کلب میں برہنہ ناچ کا موقعہ اور پھر مرد کے ساتھ ڈانس کا موقعہ باہم باہنوں میں باہیں ڈال کر شوہر کے سامنے حاصل رہے۔ بوائے فرینڈ (BOY FRIEND) کے ساتھ بوس و کنار ہی نہیں بلکہ صحبت باہمی، ہم بستری مباشرت مجامعت جماع ناجائز کی آزادی حاصل رہے اسی کا نام ہے آزادئ نسواں فرہنگ ۔

ولایت نے عورت کو جو لباس کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ وہ نیم برہنگی کا وہ لباس ہے جو عورت کے ہر نشیب و فراز کو نہ صرف ظاہر و نمایاں کرے بلکہ ترقی اور آزادی یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ لباس کی تراش ایسی ہوگئی ہے کہ نشیب و فراز کا کچھ بلکہ بڑے حصّے پر کپڑا ہی نہ رہے اور راست بلا پردہ و رکاوٹ مردوں کی نظروں سے ٹکرانے اور کشش کا سبب بن سکے اور دل لبھانے کا آلۂ کار۔ مغربی تہذیب اور آزادئ نسواں علامہ اقبالؔ کی زبان میں سنیئے۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب ؎ کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ؎ ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف!

عورت کو جو نمایاں مقامات یورپ کی آزادی تہذیب اور اب آزاد ہندستان نے تقلید یورپ کی بنا پر عطا فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ عورت اس طرح سماج پر چھا جائے کہ عورت گھر کی رونق نہیں بلکہ آفس کی زینت عورت ۔ ہوٹلوں میں گاہکوں کے ہوش اڑانے دوکانات میں گاہکوں کا دل بہلانے و لبھانے بیوپار بڑھانے عورت ہوٹلوں میں برہنہ ڈانس دکھا کر روپیہ مردوں سے اکٹھا کرنے عورت فلمی اداکار بن کر مکمل برہنہ جسم کی نمائش کرنے عورت اخبارات اور راستوں میں اشتہارات میں عورت کی برہنگی اور نشیب و فراز کا اظہار کرنے تاکہ مرد راغب ہوں عورت، اسلام کے ظہور پذیر ہونے کے قبل زمانہ جہالت کی عورت کا جو ذکر کیا جا چکا ہے بس آج کی ترقی یافتہ دور کی عورت اس کے نقشِ قدم پر ہی نہیں بلکہ کافی آگے بڑھ چکی ہے پھر ہمارا آزاد ہندستان انگریز کے چلے جانے پر بھی ان معاملات میں تقلید پر فخر اور اعمالِ بد کے جاری رکھنے کو آزادی نسواں سمجھ رہا ہے اور مسلمان عورتیں اسلام کی بیٹیاں بھی اس لپیٹ میں آگئی ہیں علامہ فرماتے ہیں۔

زندگانی مثل انجم تا کجا ؎ ہستی خود در سحر گم تا کجا
رلیوے از صبح و رد غمے خوردہ ؎ رخت از پہنائے گردوں بردہ

آفتاب استی یکے درخود نگر ✿ از نجوم دیگراں تابے مخر
تاکجا رخشی زناب دیگراں ✿ سرسبک سازاز شراب دیگراں
بر دلِ خود نقشِ غیر انداختی ✿ خاک بُردی کیمیا در باختی
تاکجا طوفِ چراغ محفلے ✿ زآتشِ خود سوز اگر داری دلے
از پیام مصطفیٰؐ آگاہ شو ✿ فارغ از اربابِ دوں اللہ شو
گفت مِنّی، گویدت مولائے ما ✿ وائے ما اے وائے ما اے وائے ما

مطلب و ترجمہ :- مندرجہ بالا اشعار میں علامہ فرمارہے ہیں کب تک زندگانی ستاروں کی طرح گزارتے جو اپنی روشنی نہیں رکھتے بلکہ سورج کی مستعار روشنی سے زندہ ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جوں ہی سورج نکل آتا ہے انجم اپنا وجود کھو بیٹھتے اور غائب نظر آتے ہیں۔ اپنے دل پر غیر کا نقش غیراللہ کو اپنے دل پر مسلط کرکے اس میں ضم ہو جانا اے مسلمان خواتین! تم تو کیمیا تھے لیکن اس اندھا دھند تقلید نے تمہیں مٹی بنا ڈالا۔ کب تک غیروں کے چراغ کا طواف کرتے رہوگے؟ کب تک دوسروں ہی کا ساز بجاتے اور دوسروں کی شراب پی کر بے خود ہوتے رہوگے حالانکہ تمہارے پاس سب کچھ ہے جناب مصطفیٰ آقائے تامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام سے آگاہ ہو جاؤ اور غیر اللہ کی چکر سے فارغ ہو کر اپنا راستہ چلو تمہاری موجودہ یہ چال دیکھ کر ہمارے آقا محمدؐ مصطفیٰ صلعم نے یہ کہدیا کہ تم مجھ سے یعنی میری اُمّت سے نہیں ہو تو اس وقت ہم پر کس قدر افسوس ہوگا۔ اے خواتین بروز قیامت کہاں جاؤگی سایۂ مصطفویؐ کو چھوڑ کر۔

دنیا کے دیگر ممالک میں عورت کی حیثیت و مقام

عرب اور یورپ میں عورت کا مقام ماضی اور حال میں تو آپ سن چکے۔ روم، یونان، ایشیا، اطالیہ وہ کونسا ملک ہے جہاں عورت مظلومی کا شکار بنی نہ رہی۔ یہودیت ہو کہ عیسائیت کسی نے عورت کو اس کا مقام دیا نہ اونچا اٹھایا اگر اٹھایا بھی تو اس غلط انداز سے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ **اطالیون** کی کہاوت رہی ہے کہ گھوڑا چاہے اچھا ہو کہ خراب اسے مہمیز دکو ٹھوکر کار ہے اسی طرح عورت اچھی ہو کہ بُری اسے مار درکار ہے۔ **اسپین** کی مشہور کہاوت ہے کہ بُری عورت سے احتیاط ضروری ہے مگر اچھی عورت بھی لائق بھروسہ نہیں۔ **جاپان** کی مثل ہے کہ جو عورت غور و تدبّر و فکر کی حامل ہو وہ بُری اور خراب منزل پر ہوتی ہے۔ **انگلستان**

کی شکل ہے کہ اسے عورت تو کمزوری کا نام ہے ۔ امریکہ کہتا ہے کہ وہ عورت جو محبت میں ناکام ہوجاتی ہے ایسی ناگن کے انتقام سے شیطان بھی کانپ جاتا ہے ۔

ہندستان اور عورت

ماضی کے آئینہ میں اور اسلام سے تقابل!

آزاد ہندستان اور ہندو برادران وطن جن کو اسلام کے عورت کو عطا کردہ حقوق پر اب اعتراض ہے ان کے پاس اور ان کے مذہب اور سماج میں عورت کا کیا مقام رہا ہے۔ لائق دید وغور ہے ۔

۱۔ عورت کو والدین، اولاد قریبی رشتہ داروں اور شوہر کی وراثت میں کوئی حصہ نہ تھا اب حکومت نے از خود قانون بنا کر عورت کو حصہ دار بنا دیا ۔ اسلام میں قیام اسلام ہی سے یعنی زائد از چودہ سو سالہ قانون عورت کو وراثت دینے کا از روئے قرآن حکیم موجود ہے ۔ بقول علامہ اقبال

ع یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو ؟

۲۔ عورت کو ماہواری آنے کی صورت میں ہندو مذہب میں اس کو ناپاک قرار دے کر جانوروں کی طرح گھر کے کاروبار سے علحدہ کر کے گھر کے آخری بیرونی حصہ میں رکھ دیا جاتا تھا اور یہی اسلام ہے کہ صرف نماز سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے اور کاروبار خانہ داری کی اجازت دیتا اور عورت کے مقام کو متاثر نہیں کرتا اور عورت کو اس طرح نظروں سے نہیں گرایا جاتا بلکہ اس کے وقار کا ہر طرح تحفظ کرتا ہے ۔

۳۔ عورت کو بیوہ ہونے کی صورت میں ستی کر دیا جاتا تھا ۔ یہ تو راجہ رام موہن رائے اور برٹش گورنمنٹ کا احسان عظیم ہے کہ اس ستی کی رسم کو قانوناً بند کر کے عورتوں کی جان بچائی ۔

۴۔ ستی کی رسم کے بند ہوجانے پر بھی بیوہ عورت کو منحوس سمجھا جاتا اور اس کا سر مونڈ کر اس کو بدصورت بنا دیا جاتا سماج میں بے عزت اور ہر محفل میں بہ نظر حقارت دیکھا جاتا اور منحوس قرار دیا جاتا ہے ۔ شادی بیاہ اور ہر خوشی کی ہر محفل میں شرکت اور عزت سے محروم رکھا جاتا گویا ایک بیوہ عورت کے حصہ میں ہندو ۔ معاشرت کا ایک جزو تھا اور ہے زندگی کی ہر خوشی و مسرت زینت و آرائش اس پر حرام تاحیات کر دی جاتی تھی اور اب بھی ہے ۔ دوسری شادی کا تصور تک اس کے لئے ناقابلِ قیاس حد تک گناہ بن جاتا ہے ۔ بقول حضرت اقبال ۔

ہو زندہ کفن پوشں تو میت اسے سمجھیں ؛ یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو؟

اسلام نے بیوہ عورت کو عدت گزارنے کے بعد دوسری شادی کی اجازت دی اس کو جینے کا پورا حق وا دھیکار عطا فرمایا ۔ اس کے شوہر کی موت کو بحکم خدا قرار دیکر عورت کو منحوس قرار دینے سے منع فرمایا اور خود رسولِ خدا صلعم نے بیوہ عورتوں سے شادی کرکے بیوہ عورت کو ایک نئی زندگی عطا فرمائی اور ان کے مقام کو ناقابل قیاس حد تک اونچا فرمایا ۔ خدا کی قدرت کہ ان روشن دلائل کے باوجود پھر ہمارے برادرانِ وطن کہیں کہ اسلام عورتوں پر ظلم کرتا ہے اور قوانین اسلام عورتوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں لہذا پرسنل لاء میں ترمیم کی جانی چاہیئے یا یکساں سیول کوڈ۔ یہ کہہ کر ہمارے برادران وطن اس بات کا از خود اعلان کر رہے ہیں کہ آزادی کے قابل نہ ہونے پر بھی انہیں آزادی نصیب تو ہوئی ہے مگر تدبر اور افکار کے اعتبار سے آزاد قوم کا شعور نصیب نہیں ہوا ہے اس لئے محکومی صفات غالب و محکومی الہام کے تحت زبان کھل رہی ہے ۔ بقول حضرت علامہ

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے ؛ غارت گر اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز
نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو ؛ آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور ۔

وجیانگر کی سلطنت اور ستی کی رسم

ایک مرد کے لئے ہزارہا عورتیں ستی

دکن میں وجیانگر کی سلطنت بہمنی سلطنت کے قیام کے قبل بھی قائم تھی اور بہمنی سلطنت کے خاتمہ کے بعد بھی قائم رہی ۔ ۱۵۶۵ء تک یہاں راجاؤں نے طاقتور انداز سے حکومت کی چند سطور تاریخ کے درج ہیں ۔

مرد کئی کئی شادیاں کرتا تھا لیکن اس کے مرنے پر بیویاں اس کے ساتھ جل جاتی تھیں چنانچہ راجہ کی بارہ ہزار بیویاں تھیں ان میں سے چار ہزار اس کے ساتھ بطور باندیاں کے رہتی تھیں ۔ چار ہزار پالکیوں میں سفر کرتی تھیں ان میں کی دو تا تین ہزار حقیقی رانیاں تھیں جن کو شوہر راجا کے ساتھ اس کے مرنے پر جلا دیا جاتا تھا ۔ پوجا کے بت کو رتھ پر سوار کرکے لے جایا جاتا تو عورتیں اس کے پہیہ کے نیچے دب کر مرجانے کو ذریعہ نجات سمجھیں ۔ سال میں تین عیدیں ہوتی

جس میں عورتیں مرد رنگ رلیاں مناتے۔ برہمنوں کو دربار اور سماج میں برتری حاصل تھی"۔
اس کا صاف صریح مطلب یہ ہوا کہ برہمن تمام مندرجہ بالا کام ازروئے مذہب ہی قرار دئے ہونگے اسی نوبت کے لئے علامہ فرماتے ہیں۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے ؛ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

صرف اسلام ہی ہے جس نے مشرق و مغرب کو راہ نجات اور مقامات اصلی زن شو سے آگاہ کیا مگر ایک تماشہ ہے کہ اہل یورپ اور حکومت ہند مچارہی ہے مسلم پرسنل لاء اور یکساں سیول کوڈ کے نام سے اور آج بھی —— اخباری اطلاع کے بموجب ۴ ارستمبر ۸۷ء راجستھان کے علاقہ سکار ولوراز میں راجستھان کی ہائیکورٹ کی ہدایات کو پس پشت ڈال کر اصلاح پسند خواتین کی بے شمار تنظیموں کے زبردست احتجاجات کو ٹھکرا کر ایک لاکھ سے زائد افراد کے جلوس کی موجودگی میں ایک معصوم لڑکی روپ کنور کو اسکے ۲۴ سالہ شوہر کے انتقال پر مقامی پجاریوں کے منتروں کی جاپ میں مذہبی رسومات انجام دیتے ہوئے ستی کردیا گیا۔ روپ کنور شعلوں میں گھر گئی تو بڑے کربناک انداز میں "پاپا پاپا" چلاتی رہی۔ پھر اسلام کے خلاف آواز کہ وہ عورتوں کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔ لائق غور ہے جبکہ اس نے عورت کو اس کے مکمل حقوق عطا کر کے زندہ رہنے کا حق دیا۔

آزادی و حقوق نسواں

مداخلت در مسلم پرسنل لا اور یکساں سیول کوڈ کی فتنہ سامانیاں

مختصراً بیان کردہ واقعات صاف اعلان صداقت کرتے ہیں کہ ہندو مذہب ہو کہ کوئی مذہب اس نے عورتوں کو اس کا حق نہیں دیا بلکہ مظالم کئے صرف اسلام نے عورت کو اس کا حق دیا۔ آج عورتوں پر مظالم کرنے کی ایک تاریخ اپنے ساتھ رکھنے والے برادران وطن مسلم عورتوں کے طرفدار بن کر سامنے آتے ہیں اور اسلام کے احکام کو ناواجبی اور ظالمانہ بتلا کے کبھی مسلم پرسنل لا میں مداخلت اور کبھی یکساں سیول کوڈ کے ناپاک عزائم میں مصروف و منہمک نظر آتے ہیں۔ مقصد —— ؟ اسلام میں رخنہ ڈالنے کی کوشش اور دین مبین سے بغض، نفرت، عداوت دشمنی اور کینہ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان کی اس سلسلہ میں ناواجبی اظہار خیال اور دوست ... کے انداز کو علامہ کی زبان میں۔

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو ؛ بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اے **صداقت آشنا اسلام** : جو قوم تیرے خلاف زبان کھول لئے اور تیرے قوانین پر حملے کرنے جاری ہے کیا وہ یہ نہیں بھول رہی ہے کہ نوسو سال سے زائد وہ تیرے دامن میں پروان پاتی رہی ہے وہ بھی کس قدر ناتوانی کے عالم میں ؟ اور آج یہی ناتواں قوم کل تک جن کی زبان تک سے ناآشنا تھی اور جنہیں ہم نے تیرے زیرِ سایہ لطفِ تکلم سے آشنا کیا اور ہاں **حقیقتِ اسلام** : جس قوم کے ساتھ تو نے ماضی میں احسان کیا تھا آج وہی تجھ پر احسان فراموشی و طعن کے پتھر پھینک رہی ہے۔ حضرت اقبال جیسا کہ فرماتے ہیں۔

جب تیرے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں ؛ بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا ؛ اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
ہاں تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو ؛ اور جو بے آبرو تھے ان کی خودداری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ ؛ بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

زوال پذیر قوم کے خواتین و مرد

زوال پذیر قوم میں تین قسم کے مرد اور تین قسم کی خواتین ہوتی ہیں۔

۱۔ مائل بہ مذہب مگر مذہب کی طرف مائل مگر بالکلیہ مذہب پر عامل نہیں یعنی مطلب کی حد تک پابند اور مطلب کی حد تک عدم پابند لیکن باوجود اس کے احکام اللہ و رسول کو ناقابلِ ترمیم سمجھنے والے۔ دل سے قدرے اور زبان سے زیادہ مذہب کے احترام کا اظہار جلسہ ہائے عام اور تقاریر ہی تقاریر کے ذریعہ اسلام کی شان کا اظہار کرنے اور اسلام کے اصول کو ناقابلِ ترمیم بتلانے اور سکھانے میں مصروف مگر قربانی سے جن پر دینِ ابراہیم کی بنیاد ہے اس سے قطعی نابلد و دور۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ فرقہ آرائیوں اور فرقہ بندیوں میں گرفتار۔ اتحادِ امت سے محروم اور ہمیشہ فرقہ وارانہ ٹکراؤ و تصادم میں کم از کم ذریعۂ تقاریر مصروف۔ نتیجہ یہ کہ کمزوری کا شکار۔ مذہب کے بچاؤ اور حقیقی خدمت و دشمنوں کے مقابلہ میں ناکام بقول علامہ :۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ؛ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔

آزادیٔ افکار کے حامل

دوسری قسم اس نام نہاد بدنصیب مسلمان کہلانے والے مرد و خواتین پر مشتمل ہے جو اپنی من مانی روشن خیالی کی وجہ سے مذہب کو لائق اصلاح بہ عزم خویش سمجھ کر آزادیٔ افکار خود ساختہ کے تحت اصلاحِ مذہب کے نعرے لگا کر مذہب اور اہلِ مذہب کو تنگ نظر سمجھتے اور غیر ملل کی تقلید میں مذاق اڑانے میں مصروف رہتے ہیں۔ علامہ ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ دراصل ان کی تباہی ہے۔

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی ؎ رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا طریقہ
تغیر آ گیا، ایسا تدبر میں تخیل میں ؎ ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ؎ ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

دشمنانِ اسلام کے زر خرید

تیسرا بدنصیب طبقہ ان مرد اور عورتوں کا ہوتا ہے جو دشمنانِ اسلام کے زر خرید ہوتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر دنیوی آقاؤں کی خوشامد تملق اور چاپلوسی میں لگے رہتے ہیں اور خود بخود خارج از اسلام ہو جاتے ہیں مگر بہ اعتبارِ نام مسلمان کہلاتے ہیں علامہ ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں ؎ تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں
ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں ؎ امتی باعثِ رسوائیٔ پیغمبر ہیں

آگے مضمون میں ہمیں ۲ و ۳ سے بحث ہے۔

مسلم خواتین طالبِ آزادیٔ حقوق اور رجوع از صدرِ جمہوریہ عدالت و حکومت

وہ خواتین جو اپنے مذہب کے احکام کے خلاف صدرِ جمہوریہ کبھی حکومت اور اکثر عدالت میں رجوع ہوتی ہیں کہ قانون حکومت کے ذریعہ ان کا تحفظ کیا جائے اور ان کی مظلومی پر رحم فرمایا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں "اے تہذیب فرنگی کی فضائے و قانون کے تحت انصاف چاہنے والو!

میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت ؎ نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود!
اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا ؎ گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت ؎ ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت!

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب ۔ پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش ۔ مجبور ہیں معذور ہیں مردان خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ ۔ آزادی نسواں کہ زمرّد کا گلوبند؟

اس عورت کے باپ بھائی جو اس کے نگران کہلاتے ہیں ۔ عورت کو عدالت حکو
اور صدر جمہوریہ سے مل کر اسلام کے خلاف نئے دفعات ۱۲۵ ، ۱۲۷ فوجداری کے تحت الف
چاہنے کی اور مزید اسلام کے احکام کے خلاف انہیں فائدے پہنچانے کی درخواست کرتے دیکھ
خاموش ہو جاتے یا مدد کرتے ہیں حضرت اقبال افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں جب کہ نسوانیت
زن کا نگہبان ہے فقط مرد " تو آخر وہ کیا کر رہے ہیں سمجھاتے ہیں ۔

ایک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور ۔ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی ۔ نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا ۔ اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

علامہ کا صاف صاف فتویٰ ہے کہ اگر وہ غلط راستے سے اپنی عورتوں کو نہ روکیں اور اس
کے دائمی اور زرین اصول کو نہ سمجھیں تو قوم کا انجام تباہی ہے یعنی ؎

اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

آزادی اذکار کی حامل خواتین و صدر جمہوریہ ہند

جب ضیاء الحق پریسیڈنٹ پاکستان کو پاکستان
میں شریعت محمدیؐ کے نفاذ کا صرف خیال ہی آیا یا مصلحتاً اعلان فرمایا تو اس مسلم سلطنت کی با ایما
کہلانے والی خواتین گھبرا اٹھیں اور اخبارات میں ان کے حسب ذیل احتجاجی بیانات نظر آنے لگے

(۱) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہونا عورتوں کے ساتھ مساوات نہیں
(چاہے شریعت محمدی کیوں نہ کہہ رہی ہو)

(۲) وراثت میں عورتوں کا حصہ مردوں کے مساوی نہ ہونا نصف قرار دیا جانا مسلم
خواتین کے ساتھ انصاف نہیں ۔ وغیرہ وغیرہ

اب ہندستان کی مظلوم بے زبان بہ عزم خویش ایمانی قوت کی حامل خواتین نے بھی
آنکھیں کھولیں ان کی سمجھ میں بھی آ گیا یا لایا گیا کہ پاکستان جس کا قیام مذہب کی بناء پر عمل میں
آیا ہے وہاں کی خواتین اپنے حقوق کے لئے اللہ و رسول کے احکام کی منسوخی کے لئے نعرے

صدیقی

لگا رہی ہیں تو ہم پیچھے کیوں رہ جائیں لہٰذا اسلام پر نثار ہونے کا دعویٰ کرنے والی ان نام نہاد خواتین نے صدر جمہوریہ ذیل سنگھ کو ایک یاد داشت پیش کی جسے ۱۳ ستمبر ۱۹۸۴ء کو دہلی دور درشن سے خبریں نشر کرتے ہوئے دکھایا گیا جسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان مسلم کہلائی جانے والی خواتین نے صدر جمہوریہ کو ایک یادداشت پیش کی اور بالمشافہ بھی سمجھایا۔

دراصل واقعہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اور بڑا ناقابل برداشت ظلم ان نام نہاد مسلم عورتوں کے لئے گوشہ تھا۔ اسے بڑی آسانی سے گدھے کی سینگ کی طرح اڑا دیا۔ مردوں نے بھی سمجھا کہ اس میں جاتا ہی کیا ہے لہٰذا خاموشی اختیار کرلی۔ بقیہ امور ایسے ہیں مرد راضی ہی نہیں ہوتے کہ اللہ اور رسول کے احکام میں تبدیلی کی جائے اور بلند افکار مسلم خواتین کیلئے ضابطہ فوجداری دفعات ۱۲۵ و ۱۲۷ کی ترمیم موجب تشکر لیکن وہ چاہتی ہیں کہ مزید اور ایسی آسانیاں فراہم کی جائیں جو اسلام فراہم نہیں کر رہا ہے گویا صدر جمہوریہ کی واحد شخصیت ہے حکومت ہند اس قدر ذی اقتدار ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کو ان کے لئے منسوخ فرماکر ایسے قوانین مدون فرماسکتی ہے جس سے ان کو مساوات کا حق حاصل ہو پھر ان عورتوں کی نمائندہ خاتون نے صدر جمہوریہ کے غور کرنے کے وعدہ سے قبل ہی سپریم کورٹ کے قدم پکڑ لئے تھے۔ آخر سپریم کورٹ کو بھی رحم آگیا' ازراہ کرم ان کے سر پہ خلاف احکام اللہ و رسول شفقت کا ہاتھ رکھ دیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے زیادہ شفیق بن گئی اور ایک فریب خوردہ آرزو بھرا دل بصورت فیصلہ مسلم خواتین کو احکام اسلام کے خلاف عطا فرمادیا۔ بقول حضرت علامہ اقبال۔

پاس شرط ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھکر
ذرا سا اک دل دیا ہے وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

خواتین کا مساوات کے تحت عہدۂ پیغمبری پر تقرر

ابھی مسلم نام نہاد خواتین کے لئے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے لئے حکومت اور صدر جمہوریہ اور عدالت کو توجہ دلائی ہے مثال کے طور پر قیام دنیا سے آج تک جس قدر پیغمبر نبی رسول آئے سب مردوں سے ہوئے ایک ایسی یادداشت صدر جمہوریہ کو ان نام نہاد خواتین کو پیش کرنی ہے کہ کسی قابل خاتون کا یہ عہدہ پیغمبری صدر جمہوریہ بمشورہ حکومت ہند تقرر فرماکر قیام دنیا سے آج تک عورتوں کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی ہے اس کی تلافی فرمائیں تاکہ مساوات کا مکمل تصور پیدا ہوسکے۔

نسل انسانی کو برقرار رکھنے کے انداز میں مردوں کو بھی حصہ دار بنایا جائے

دوسری خبر جو سننے میں آرہی ہے روشن طبع مسلم نام نہاد خواتین صدر جمہوریہ کو یہ یادداشت پیش کرنے والی ہیں کہ تاقیامت دنیا تا این دم ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اسلام نے بھی اسکی دوا نہیں کی۔ نسل انسانی کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری عجیب انداز سے ان پہ عائد کردی گئی ہے کہ انہیں نو ماہ تک وہ وزن ڈھو کر اور اپنا خون ہلاکر دردِ زہ کی تکلیف سے ہمکنار ہو کر اور بعد میں پرورش کرنے کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور جن مردوں کو وہ جنم دیتی ہیں وہی ان کے مقابلہ میں ڈبل حصہ کے مالک اور حق طلاق کو استعمال کرنے کے حقدار اور طلاق دینے کے بعد بھی عورت کو عمر تمام اپنی بیوی سمجھ کر پرورش کرنے اور نفقہ دینے سے منکر ہوجاتے ہیں۔ لہذا عزت مآب وفضیلت مآب صدر جمہوریہ سے خواتین کی بصد ادب اس جمہوریت کے دور میں التماس ہے کہ براہِ کرم امریکہ یا اپنے دوست ملک روس سے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم بلوا کے غور فرمایا جائے کہ ایک بچہ عورتوں کے جنم دینے کے بعد انہیں مردوں میں اور ان کے مردوں کو خواتین میں تبدیل کیا جاسکے تاکہ دوسرا بچہ ان سے جنم دلایا جاسکے۔ اسطرح جمہوریت کے دور میں مساوات کا مکمل تصور بحال ہوسکے اور آزادی نسواں اپنے پورے جوبن اور شباب پر آکر انگڑائی لے سکے اور علامہ اقبالؒ کے ان اشعار کو ان کے کلام سے خارج کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا جائے چونکہ اس سے ہماری فکر اور تدبر کی توہین ہو رہی ہے۔

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی ؎ رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار ؎ انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ ؎ آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

زائد عرض کرنا نہیں ہے

ان نام نہاد مسلم خواتین کی آزادی نسواں اور حقوق بے جا کی حفاظت کے لئے یقیناً صدر جمہوریہ عدالت اور حکومت موجود ہیں جو اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف انہیں خوش و مطمئن کرسکتے ہیں اور ایک دن ہوگا روز قیامت جہاں حساب و کتاب یقینی ہے اور شفاعت رسولؐ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں اور ان کے متعلقین کو دیکھ کر بروز قیامت فرمادیں جیسا کہ

قبل ازیں بھی حضرت اقبال کی زبان میں کہا گیا ہے۔

کست منی گویدت مولائے ما ؛ وائے ما اے وائے ما اے وائے ما

ترجمہ و مطلب :

اے خواتین اور ان کا خلاف شرع ساتھ دینے والے متعلقین ! ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز قیامت یہ فرمادیا کہ تم لوگ میری اُمّت سے نہیں تو ہائے ہم پر انسوس صدانسوس ہمارا کیا حال ہوگا۔؟ صدر جمہوریہ حکومت اور دہلی کی سپریم کورٹ کیا اللہ کی سپریم کورٹ کے ان احکام کو کہ ان سب کو جہنم میں پھینک دیا جائے منسوخ کرکے داخلِ جنت کرنے کے احکام جاری کرسکے گی یا خود عالم پریشانی میں یہ سب ہونگے ؟

ہماری حکومت اور عورت

ہماری حکومت ہند بھی کس قدر غمخوار وسیع النظر اور ہمدرد انسانیت ہے کہ انسان کو خصوصاً خواتین کو مکمل حقوق دلانے کے لئے ہی نہیں بلکہ ثریا کی چوٹی پر بیٹھانے پورے تدابیر تدبر اور انہماک کے ساتھ آئے دن مصروف نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل قوانین۔

(۱) ملازم سرکار جو اولاً حکومت کے نکاح میں ہیں حکومت نے احکام نافذ فرما دیئے ہیں کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی نہ کریں چونکہ اس سے عورت پر زیادتی اور سکون برباد ہوتا ہے ۔ (۲) کسی لڑکی کی شادی اٹھارہ[۱۸] سال اور لڑکے کی شادی اکیس[۲۱] سال سے قبل نہ ہونے پائے ورنہ دولھا دلہن اور ان کے والدین اور شریک محفل ہونے والوں کو تک سزائے قید فی الوقت اور شاید سزائے موت مستقبل میں دی جاسکتی ہے چونکہ ایسی شادیوں سے لڑکی کی صحت گرتی اور ہونے والے بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔ اور صحت مند نہیں رہ سکتے البتہ عمر بڑھا کر جو شادیاں کی جارہی ہیں حکومت بے بس ہے ۔ (۳) مسلم شوہر اگر اپنی مسلم بیویوں کو طلاق دینے کی صورت میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف رحم دل حکومت کے احکام کے تحت تمام عمر طلاق شدہ بیوی کو حقیقی بیوی سمجھکر نان ونفقہ ادا کریں مندرجہ بالا قوانین بتلاتے ہیں کہ ہماری حکومت انسانیت نواز اور خواتین کی کس قدر ہمدرد ہے اور کس قدر مساوات کی قائل اور حقیقی علم کی حامل مگر علامہ اقبال نے ایسی حکومت کی یوں تعریف فرمائی ہے۔

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت ؛ پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

ہماری حکومت کے لہو پینے کے مختلف انداز مختلف طریقے بالانداز ٹیکس وغیرہ وغیرہ ہیں

اور سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ شراب سیندھی اور ہر نشہ حکومت کے قانون کی رو سے جائز ہے چونکہ اس سے حکومت کو بے انتہا آمدنی ہوتی اور عوام کی صحت بے انتہا گرتی، جگر برباد ہوتے، زندگانیاں دم توڑتی ہیں۔ اموات کی شرح بڑھ کر حکومت کے آبادی کم کرنے کے مسئلہ کا حل بن جاتی ہے جرائم کی شرح آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے۔ بحالت نشہ زنا بالجبر، قتل اور بیویوں کو مارنے کے واقعات بے حساب رونما ہوتے ہیں۔ مگر ہماری حکومت آنکھوں پر پردے ڈال لیتی اور اپنی آمدنی پر نظر رکھتی اور خواتین سے خصوصاً عوام سے عموماً ہمدردی کے نعرے لگاتی ہے اور کوئی قانون شراب سیندھی اور نشہ کو منع کرنے ممدوں کرنا حکومت کے امکان سے باہر ہے۔ سگریٹ کی ڈبیوں پر "تمباکو صحت کے لئے مضر" لکھ کر حکومت من مانے ٹیکس لے کر سگریٹ کی فروخت جائز قرار دے کر لاکھوں کی صحت کی بربادی کی ذمہ دار ہوتی ہے گویا وہ حکومت جو احکام اسلام میں عیوب نکالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے وہ خود اپنی حقیقت سے ناواقف و غافل ہے جیسا کہ علامہ اقبال نے گویا کہا ہے اسی حکومت کے لئے۔

اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا ؎ نظر آتی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

سینما جس میں چوری کے انداز سماج کو بگاڑنے کے طریقے بے حیائی کی تعلیم برہنگی کا سبق دیا جاتا اور نوجوان نسل یعنی لڑکے اور لڑکیوں کو تباہ کیا جاتا ہے ان کی صحت برباد کی جاتی، جذبات جنسی کو ابھارا جاتا اور زنا بالجبر کے طریقے بتلائے جاتے ہیں حکومت کو صرف فلموں کی آمدنی سے مطلب، ہر قسم کے فلم شو کے لئے پاس کر دیئے جاتے ہیں ایسی سینما کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے ؎ سینما ہے یا صنعت آزری ہے؟
وہ صنعت نہ تھی شیوہ کافری تھا ؎ یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے!
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا ؎ یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی یہ دوزخ کی مٹی ؎ وہ بت خانہ خاکی رخاکستری ہے

بہر حال ہماری نام نہاد مسلم خواتین کی ہمدرد حکومت ایک طرف ذریعہ شراب و سگریٹ تو دوسری جانب بذریعہ فلم سوداگری میں مصروف ہے اور کالے دھن کو روکنے میں ناکام۔ قوم اور ملک کی معاشرت صحت اخلاق کردار برباد ہو رہے ہیں۔ اور حکومت کو صرف آمدنی کی فکر ہے اور پھر احکام اسلام میں مداخلت کی جرأت بھی اور مساوات جمہوریت اور عوام و خواتین سے

ہمدردی کے دعوے بھی ایسی جمہوری حکومت کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں۔

کہتا تھا عزازیل خداوند جہاں سے ٭ پرکالہ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک
جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست ٭ باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

اور ایسی حکومت اور خواتین کی آزادی کے بارے میں قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ بقول علامہ:۔

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ ٭ آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

جرائم کی روک عورتوں کے حقوق اسلامی قانون ہی سے ممکن ہے

ہمارے مندرجہ بالا بیان کی تائید روز کے اخبارات سے ہو سکتی ہے صرف ۵ رجولائی ۱۹۸۷ء کی خبر رہنمائے دکن کی شائع شدہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

تراشے —

جنسی جرائم میں بھیانک اضافہ

نئی دہلی ۴ رجولائی (ایف ادالیں) خواتین پر مظالم کے سلسلہ میں جو اعداد و شمار دستیاب ہوئے ہیں وہ ہمارے مشترکہ سماج کے انتہائی بھیانک راستے پر سفر کرنے کے غماز ہیں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ملک کے کسی گوشے میں کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جنسی جرائم عصمت دری وغیرہ سے متعلق کوئی خبر اخبارات میں نہ چھپتی ہو۔ ماہرین اخلاقیات کا کہنا ہے کہ عورت ہمیشہ ہی مختلف اقدام کے مظالم کا شکار ہوتی رہیں لیکن سب سے زیادہ دہشت ناک گھناؤنا اور قابلِ نفرت جرم عصمت دری ہے۔ بیورو آف پولیس ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ کی ایک مفصل رپورٹ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں ملک بھر میں عورتوں کے خلاف جرائم کی تعداد ۱۶ ہزار ۳۰۲ تھی جو ۱۹۷۹ء میں بڑھکر ۲۸ ہزار ۶ سو تک پہنچ گئی ۱۹۷۱ء میں عصمت دری کے ۲ ہزار ۴ سو ۸ معاملات درج کئے گئے تھے جب کہ ۱۹۷۸ء میں ان کی تعداد ۴ ہزار ۶ سو ۲۱ ہوگئی زنابالجبر کے واقعات میں چھوٹا سا مرکزی زیر انتظام علاقہ سکم سرِفہرست ہے جہاں ۴۷ ۹۶ فیصد واقعات ہوئے ہیں۔ لکشادیپ ملک کا وہ واحد مقام ہے جہاں کسی بھی عورت کی جبری توہین کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، زنابالجبر کے معاملات میں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۲ء تک کی مدت میں بیس گنا اضافہ ہوا ہے جو انتہائی بھیانک ہے ریاستوں کے بعد جب ہم شہروں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دہلی سرِفہرست نظر آتا ہے اس کے بعد کا نمبر بمبئی کا ہے۔ کلکتہ کا نمبر تیسرا ہے۔

اخبار مورخہ ۲۶ رجولائی ۱۹۸۷ء سے۔

تراشے :

عورتوں کے خلاف جرائم میں دہلی سب سے آگے

نئی دہلی : پولیس ریسرچ بیورو نے آٹھ بڑے شہروں میں اعداد و شمار جمع کرنے کے بعد انکشاف کیا ہے کہ عورتوں سے متعلق جرائم کی تعداد دہلی میں سب سے زیادہ ہے۔

ان جرائم میں عورتوں کو اذیت پہونچانے اور جلاکر مار ڈالنے کے واقعات بھی شامل ہیں۔ یہ اعداد و شمار احمد آباد، بنگلور، کلکتہ، دہلی، حیدرآباد، کانپور اور مدراس سے حاصل کئے گئے تھے۔ رپورٹ میں دہلی کی لڑکیوں اور جوان شادی شدہ خواتین کی حالت زار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ۱۹۸۲ء میں دہلی کے اندر ہر دو روز میں ۳ عورتوں کو جلاکر مار ڈالا گیا۔

اس سال مرنے والی عورتوں کی تعداد ۵۰۰ رہی۔ ۱۹۸۱ء سے وسط ۱۹۸۳ء تک (۱۴۹۸) عورتیں غیر قدرتی موت کا شکار ہوئیں۔ ان میں ۶۷٫۲ فیصد عورتیں جل کر مریں۔ اور ان مرنے والی عورتوں کی عمریں ۱۸ تا ۳۰ سال تھی۔ واضح رہے کہ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء کے درمیان پورے ہندستان میں جل کر مرنے والی عورتوں کی تعداد (۵۲۴۵) تھی۔

مسلمان عورتوں کو حقوق عطا کرنے کا دعویٰ کرتے والی اسلامی قانون کے خلاف قوانین بنانے والی پرسنل لا کی مخالف شور و غل برپا کرنے میں برائے نام تبدیلی کرنے والی یکساں سیول کوڈ کے نعرے لگانے والی ملازم سرکار کو ایک ہی شادی پر مجبور کرنے والی اسلام کی چار شادیاں کے احکام کو ناواجبی سمجھنے والی حکومت کیوں عورتوں کی حفاظت حتی کہ عزت ناموس اور عصمت اور جانوں کی حفاظت میں تک ناکام ہورہی ہے۔ اور اس سلسلے میں کیوں اس کے قانون کارگر نہیں ہو رہے ہیں۔ کوئی قوم کتنا ہی اپنے آپ کو مہذب اور ترقی کی راہ پر گامزن سمجھے اس کو ایک دن ماننا پڑے گا کہ اسلامی قانون ہی جرائم روک سکتا ہے اور عورتوں کو حقوق عطا کرسکتا ہے۔ اسلامی قانون تو وہ قانون ہے بقول علامہ اقبال۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ؛ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں!

دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان!

آج کل عورت اپنا مقام آپ گرا رہی ہے

جہاں آج کل مرد افسوسناک حد تک

بلحاظ کردار گر رہا ہے اس سے بھی کہیں زائد تیزی سے عورت نہایت ہی بھیانک و شرمناک انداز سے اپنے آپ کو گرا رہی ہے کہ شاید ماضی میں اس کی کہیں نظیر مل سکے۔ خصوصاً مسلمان نام کے جو عورتیں جس بے حیائی کے ساتھ فلموں میں کام کر رہی ہیں وہ بلاشبہ قوم کے منہ پر ایک طمانچہ ہے ان کو کم از کم اتنی مہربانی تو کرنی چاہیئے کہ اپنا نام بدل لیں جس طرح کہ یوسف خان نے اپنا نام دلیپ کمار رکھ لیا اور بڑے اطمینان سے حسب ضرورت فلموں میں پوجا پاٹ کے کردار کی ادائی میں مصروف ہیں۔

ایک نظر ماضی پر

عورت کا سب سے بھیانک روپ طوائف کا ہوتا ہے۔ پہلے دور میں جب کہ یہاں اسلامی ناموں کے ساتھ جن بادشاہوں نے بادشاہت کی ہے انہیں اسلام سے نہیں بلکہ حکومت وعیش وعشرت سے سروکار رہا ہے۔ اسلام ہندستان میں نظر آتا ہے تو یہ احسان ہے۔ ان اللہ والے فقیروں اور قلندروں کا جن کی عظمت کے آگے ہماری گردنیں خم ہیں یعنی بزرگانِ دین جن کے ناموں کی فہرست طویل ہے خواجہ ہند معین الدین اجمیری رح سے لے کر خواجہ دکن غریب نواز رح گلبرگہ شریف و خواجہ نظام الدین رح محبوب الہٰی اور سینکڑوں ہیں جن کے ارواح پر اللہ پاک اپنی رحمتیں تا قیامت نازل فرماتا ہے جنہوں نے ہندستان میں اسلام کو باقی رکھا۔ یہاں کے بادشاہوں میں علاء الدین خلجی نے تو ایک نئے مذہب کی ایجاد کا ارادہ کیا تھا مگر یہ فیض تھا حضرت بو علی قلندر پانی پتی رح اور حضرت امیر خسرو رح کا کہ اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور ان کے سامنے اپنی گردن خم کر دی۔ اکبر اعظم نے تو ایک نیا مذہب دینِ الہٰی گو دیرپا نہ رہا ایجاد کر ہی دیا۔ اسلام کی خدمت تو اس خاندان کو نصیب ہی نہ ہوسکی۔ مگر بدنصیبی یہ رہی کہ راجپوت عورتوں کو بلا احکام شرع بیویوں کا روپ دے کر ہندو رسم و رواج مسلمانوں میں عام زندگی اور خصوصاً شادی بیاہ میں جاری و ساری کر کے مسلمانوں کو وہ نقصان پہنچایا جس سے مسلمان قوم ایسی زوال پذیر ہوئی کہ الاماں والحفیظ۔ ہندستان کے بادشاہوں میں دو نام مذہبی بادشاہ کی حیثیت سے لئے جاتے ہیں۔ ایک ناصر الدین دوسرے اورنگ زیب۔ اورنگ زیب کے دور میں طوائفین کے وجود کا یہ حال تھا کہ مورخ اس کے بارے میں فخریہ اور تعریف کے انداز سے لکھتے ہیں۔

" اورنگ زیب نے ضلالت جہالت مناہی و ملاہی کے رسوم مٹانے میں

کمال سختی کی کسبیوں کو شہر کے باہر آبادی سے دور رہنے کا حکم دیا اور امتیاز کیلئے لال کپڑے پہننے کا فرمان صادر کیا۔ چنانچہ انگریزوں میں کسبیوں کا نام لال بیوی مشہور رہا۔ (دیکھو صفحہ (۴۹۰) دربار آصف)

آیا اس کو بھی کوئی مذہب کی پابندی یا ضلالت و جہالت کو دور کرنے کا طریقہ کہا جاسکتا ہے کہ زنا و بدکاری شہر کے اندر ناجائز اور باہر شہر لال کپڑے پہن کر جائز جب کہ اس طبقہ کا وجود ذریعہ سنگسار بصورت زنا مٹانے کے احکام اسلام دیتا ہے۔ شہر کے باہر رہ کر لال کپڑوں میں اپنا پیشہ برقرار رکھنے کو فرمان کا پیرہن عطا فرمانا بقول علامہ اقبالؒ

ع ۔ "جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے"

پھر کیا علامہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ؎

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو ۔۔۔ کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

بس اسی طرح شاہانِ ہند کے انداز اسلام کیساتھ ہمیشہ مذاقیہ رہے ہیں۔ بقول علامہ

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر ۔۔۔ چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

آخر کار حکومت ہاتھ سے جاتی رہی۔ اسی کتاب میں ہم مہ لقا چندرا بائی طوائف اور شاہان نظام حیدرآباد کے حالات بھی بیان کرینگے کہ مسلمان زوال پذیر ہونے کے بعد بھی برائے نام حکومت پاکر یہاں کے امراء اور شاہوں کی بے خودی کا کیا حال رہا اور مہ لقا چندرا بائی طوائف کی ہستی کا کیا انداز تھا؟

دَورِ شاہی اور دورِ جمہوری میں عورت

دورِ شاہی میں عورت

پہلے ہم اس دورِ شاہی و دورِ سلطانی کا ذکر کرتے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی ۔۔۔ یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو ۔۔۔ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مغل بادشاہوں کی تباہ کاریاں مسلم قوم کے لئے ہم قدرے کہہ آئے ہیں اب ان کے بعد کے دور میں بھی ان کی یادگار یا نشانی کے طور پر جو ایک اسلامی نام رکھنے والی آصفجاہی حکومت دکن کے

بعد تباہی بسیار قائم ہوئی اس میں عورت کا مقام اور اس کی تقسیم طوائف کے طبقہ
مختصر پہلو نوعیت کی کیا تھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

بیگم، اہلیہ یا محل

بیگم دراصل بیگ کی تانیث ہے یعنی بیگ کی
بیوی یا بیٹی جیسے مغل شہنشاہ شاہجہاں کی بیٹیاں
آرا بیگم (۲) روشن آراء بیگم (۳) گوہر آراء بیگم لیکن جب مغل دور
یہ لفظ بیگم، عام ہوا تو مغلوں سے ہٹ کر دوسروں نے بھی اپنی بیٹیوں کے
میں استعمال کرنا شروع کر دیا، اونچے طبقہ کی عورتوں کے نام کے آخر " بیگم "
کے پست طبقہ کی عورتوں کے نام کے بعد " بی " کا استعمال ہونے لگا۔ مثلاً فاطمہ
مہ بی، یعنی اونچ نیچ طبقے کا معیار بزرگی جیسا کہ اسلام نے قرار دیا تھا۔ اعمال پر
حکومت و ثروت پر ہو گیا اور کسی مرد کے نام کے پہلے اگر " بیگم " یا محل کا نام
ئے تو اس سے مراد اس کی بیوی سے ہوتی تھی مگر یہ لفظ صرف امراء وغیرہ کیلئے
جاتا اوسط طبقہ اہلیہ کا لفظ استعمال کرتا۔ اسلام کا وہ تصور کہ
کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز ؎ بندہ و صاحب و محتاج وغنی ایک ہوئے
کے دور میں دم توڑنے لگا۔

بیگم بیوی نکاحتی خاص، خواص خواص بن خواص

بیگم سے مراد وہ محترم المقام بیوی جس سے نکاح کے قبل اور بعد
ہندو مراسم کی بھی بالکلیہ مکمل ادائیاں عمل میں آئی ہوں یعنی
سانچق، چاول پھینکنے کی رسم، جلوہ، چوتھی آتش بازی کے نظارے
ایسی بیوی کو بہت اونچا اور مقام اولین دیا جاتا تھا اس لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود ؎ ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ؎ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

نکاحتی وہ عورت جس سے شرع شریف کی رو سے صرف نکاح کیا گیا ہو
" نکاحتی بیوی " کہلاتی اور اس کا مقام ہندو رسم و رواج کے ساتھ

شادی شدہ بیوی کے بعد ہوتا تھا گو شرع شریف کے اعتبار سے یہی بیوی جو رسوم بد کی انجام دہی کے بغیر نکاح میں آئی ہے لائق احترام ہونی چاہیئے تھی اس لئے علامہ اقبالؒ ان لوگوں سے پوچھتے ہیں ——— تم مسلمان ہو یہ انداز مسلمانی ہے؟
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

خاص وہ عورت جو بادشاہوں اور امرائے عظام کے محل کی زینت بغیر نکاح کے بن کر ان کو ہمیشہ یا کم از کم ایک مرتبہ لطف اندوز ہونے کا موقع دے کر یہ مرتبہ ذریعہ زنا حاصل کرلے " خاص " کہلاتی تھی۔ اس کا مقام بیگم ونکاحتی کے بعد مگر خواص اور خواص بن خواص سے بلند و بالا رہتا تھا۔ یہ عہدِ ماضی کی وہ شرمناک اور بے حیائی کی داستان ہم مسلمان قوم کی ہے۔ جس نے مسلمان قوم کو زوال پذیر کر دیا اور اس کے اظہار سے خاموشی علامہ اقبال نے بہتر بتلائی ہے کہ سننے کے لائق نہیں۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری ٭ خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

لہٰذا ہم تفصیل میں جاکر کچھ کہنا نہیں چاہتے چونکہ یہ لغویات نا قابل شنیدن ہیں لہٰذا ہم اس قدر مختصر کہہ رہے ہیں جو خاموشی کے مترادف ہے۔

خواص وہ عورت جو بادشاہوں اور امرائے عظام کے نظروں میں بھاگئی اور بیرونی طور پر لطف اندوز ہوتے اور بوس وکنار کا ہی شرف اسے حاصل ہوا لیکن ہم بستری نہ ہوسکی اس کو داخل حرم کرنے حکم صادر ہوا بعد میں اس عورت کا خیال جاتا رہا یا توجہ کا مرکز دوسری عورت بن گئی اسلئے وہ خاص کا مقام حاصل نہ کرسکی "خواص" کہلاتی تھی۔

خواص بن خواص کسی عورت کا نظارہ چشم شاہ یا چشم امیر نے دور سے کرلیا پسند آگئی حرم میں داخل کرنے کا حکم نادرشاہی صادر ہوا بعد کو ذہن سے یہ بات نکل گئی یا کسی اور محبوب سے دل بہل گیا لہٰذا ہم بستری تو کجا بوس وکنار اور جسم کو مس کرنے کا بھی شرف نہ ملا، صرف نظارہ چشم صاحب اقتدار بن کر رہ گئی خواص بن خواص کہلاتی تھی حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ترا نظارہ ہی اے بوالہوس مقصد نہیں اسکا ٭ بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو

بہر حال یہ چڑیا حرم سرا کی زینت بھی چوکیداروں کے باہوں کی زینت اور "نام کسی کا گاؤں کسی کا"

کے مصداق ہوتی تھیں۔ واضح رہے کہ خاص، خواص، خواص بن خواص کے لئے نہ مذہب کی قید تھی نہ خاندان کی نہ ہی کردار کی، بس جس سے نظریں ٹکرا گئیں۔ انتخاب کر لیا۔ بوالہوس شاہ یا امیر کے محل میں داخل کر دی گئی۔ یہ ہے انداز بدبختی ان مسلمانوں کے جن کو اللہ پاک نے حکومت دولت ثروت عطا فرمائی تھی حتیٰ کہ اوسط طبقہ میں سے اکثر کا یہ حال تھا کہ گھر میں چھوکریاں پالی جاتیں جب صاحبزادے بلند اقبال پندرہ سولہ سال کے ہوتے تو وہ راتوں کو پاؤں دبانے ان کے حجرے میں روانہ کی جاتیں یہ اوسط طبقہ میں خاص نہیں بلکہ خواص کہلاتی اور اولاد ناجائز کو جنم دیتی بعد میں رسومات کے ساتھ شادی کر کے بڑے گھر سے کوئی اور بیگم لائی جاتی۔

داشتہ

غریب آدمی بغیر نکاح کے کسی عورت کو رکھ لیتا تو وہ بجائے خاص و خواص کے داشتہ کہلاتی گویا مسلمان قوم عالم نشہ میں آنکھیں بند کر کے زمین پر نہیں بلکہ معلق چل رہی تھی نہ تبلیغ دین سے سروکار نہ مذہب سے دلچسپی وہ دولت کو بقول حضرت اقبال اس نظر سے دیکھنا ہی بھول گئے کہ:۔

امید نہ رکھ دولت سے دنیا میں وفا کی ؎ رم اس کی طبیعت میں ہے مانند غزالہ

خود آگاہی نے سکھا دی ہے جسکو تن فراموشی ؎ حرام آئی ہے اس مرد مجاہد پر زرہ پوشی

یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

دور جمہوریت کی عورت

بہرحال یہاں ہم جس نکتہ پر بحث کرنا اور ماضی اور حال کا تقابل کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ زمانہ ماضی میں اس قدر بے ہودگی اور شرمناک ماحول کے باوجود اور طوائف کے عام وجود کے باوجود طوائف اور کسی عورت چاہے خاص ہو کہ خواص کے جسم کو منظر عام پر نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ آج عورت کا جسم گویا ایک نمائش کی انوکھی چیز ہے یا فٹ بال کہ فلموں میں ہدایت کار کے اشارہ پر فٹ بال کی طرح مردوں کی آغوش میں اور بانہوں میں گر کر گول بنا رہا ہے۔ اخبارات اشتہارات کی زینت بن رہے ہیں۔ کلب میں برہنہ ڈانس تو عورت کے مقام کی ناقابل قیاس و معافی گراوٹ ہے کہ خود بھی گر رہی ہے اور نوجوان مرد طبقہ کی بربادی کا باعث بن رہی ہے۔ مقصد صرف روپیہ، سستی شہرت کی دھن۔ دور ماضی میں جب کوئی بدکردار مرد عورت پر نظر ڈالتا اور ناجائز اولاد پیدا کرتا تو اس عورت اور ناجائز اولاد کا عمر تمام کفیل ہو جاتا آج ناجائز حمل دواخانوں میں گرائے جاتے اور نہ گرنے کی صورت میں بچے تولد ہوں تو دواخانوں میں

چھوڑ کر بدکردار عورت بھاگ جاتی یا کچرے کی کنڈیوں میں ایسے بچے پھینک دیئے جاتے، باپ اا کو اولاد ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ عیاشی کرتے مرد اور عورت جانوروں کی طرح تیار ہیں مگر احساسِ گناہ نہ احساسِ ذمہ داری۔ امریکہ میں جس کو ہندستان کے اکثر مسلمان اپنا کعبہ سمجھنے لگے ہیں یہ حال ہے کہ بوائے فرینڈ کے ساتھ عورت گھومتی اور مصروف عیاشی رہتی ہے اسکے شوہر صاحب بھی کسی اور کی بیوی کے بوائے فرینڈ بن کر مصروف عیاشی میں (۴۵) سال بعد ہی میاں بیوی اگر درمیان علاحدگی کی نوبت نہ آئے تو میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ رہنے تیار ہوتے ہیں۔ گویا ماضی میں نیم وحشی و نیم حیوان بن کر زندگی گذار رہے تھے تو اب مکمل حیوان اور وحشی بن کر زندگی گذارنے لگے ہیں۔ علامہ اقبال نے اس قدر بے حیائی تو شاید نہ دیکھی تھی صرف جھلک دیکھ کر اپنے کم سن بیٹے جاوید جوان کے انتقال کے وقت تیرہ (۱۳) سال کے تھے ان کے بارے میں پریشان ہوکر ضرب کلیم میں "جاوید سے" کا عنوان دے کر اشعار لکھے ہیں

غارت گرِ دیں ہے زمانہ ٭ ہے اس کی نہاد کافرانہ
لیکن یہ دورِ ساحری ہے ٭ انداز ہیں سب کے جادوانہ!
سرچشمۂ زندگی ہوا خشک ٭ باقی ہے کہاں سے شبانہ!
خالی ان سے ہوا دبستاں ٭ تھی جن کی نگاہ تازیانہ!

پھر بال جبرئیل میں " جاوید کے نام" کا عنوان دے کر غلط صحبت اور ماحول سے بچنے کی نصیحت اور دعا کرتے ہیں۔

ہوتی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی ٭ خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ
حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی ٭ خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

جب عورت اس بھیانک انداز سے گرنے پر آجائے کہ ماں باپ کو اپنے کم سن مرد بیٹوں کے لئے پریشانی کا سامنا ہو جائے تو خدا معلوم اور گرنے کی انتہا عورت کے لئے کیا ہو؟ زوال کی تعریف کس انداز سے کی جائے اور غضب خدا کا یہ ہے کہ مسلمان مرد اور عورتیں اس تہذیب زنگی کا شکار بن جائیں اور حال کا رونا ماضی کے رونے سے بھی بڑھ جائے۔

پرسنل لا میں مداخلت کی ابتدأ اور اب یکساں سیول کوڈ کے نعرے

مسلم پرسنل لا میں شرائط و پابندیوں کے ساتھ ہی سہی مرد کے لئے چار شادیوں کی اجازت ہے وہ حکومت جو دستور کے اعتبار سے ہر مذہب

کے احترام اور ہر ایک کو اپنے مذہب پر چلنے کا حق دینے کا دعویٰ کرتی اور جیسا کہ ابھی ظاہر کیا گیا ہے جرائم کو اپنے قانون کے ذریعہ روکنے میں ناکام ہو رہی ہے۔ اس نے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کر کے اولاً یہ قانون بنا ڈالا کہ کوئی ملازم سرکار ایک سے زائد شادی نہیں کر سکتا جس میں مسلم ملازم سرکار بھی آ گئے۔ اس قانون کو بے چوں و چرا بظاہر تسلیم کر لیا گیا نہ علماء نے آواز اٹھائی نہ سیاسی لیڈروں نے نہ مسلمانوں نے، نہ ہی ملازمین سرکار نے ——— گویا تسلیم کر لیا کہ مسلم ملازمین سرکار کے پرسنل لاء میں ترمیم تبدیلی و تغیر کا حق حکومت کو ہے۔ جب انگلی پکڑنے کا موقعہ دیا گیا اور سب مسلمانوں کی حد تک پرسنل لاء میں مداخلت کی راہ ہموار ہو گئی تو لگے ہم بلبلانے پھر بڑی چیخ و پکار کے بعد حکومت نے آنسو پونچھے اور ایسی بے معنی ترمیم کی گئی جس سے کوئی مقصد ہی حاصل نہ ہوا پھر یکساں سیول کوڈ کے نعرے لگائے جانے لگے۔

حکومت کا اندھا قانون اور سماج پر اس کے اثرات

اسلام کے قانون میں نقائص نکالنے والی حکومت نے جب ملازم سرکار کے لئے ایک سے زائد شادیاں نہ کرنے کا قانون نافذ کیا تو اس کے اثرات سماج پر کیا پڑے نہ حکومت نے غور کیا اور نہ ہی سماج نے۔ ہوا یہ کہ خانگی نکاح ہونے لگے۔ کئی مظلوم بے سہارا بے زبان غربت کی ماری خواتین خانگی نکاح میں آئیں اس نکاح کی وجہ سے ان کی حیثیت بیوی کی تو ہو گئی لیکن جہاں تک حقوق کا سوال تھا ان کی حیثیت ایک داشتہ کی سی ہو کر رہ گئی۔ مردوں کے نہ پالنے کی صورت میں وہ نان و نفقہ کی مستحق نہ مہر نہ پانے کی صورت میں طلب کرنے کا انہیں ادعیکار اور نہ شوہروں کے مرنے کی صورت میں فیملی پنشن کی حقدار۔ بے حساب مثالیں سامنے ہیں۔ مسلمانوں پر کیا منحصر ہے۔ ہندو ملازم سرکار کے پاس کئی جگہ ایک سے زائد بیویاں موجود ہیں یہ ہے ہماری حکومت کا اندھا قانون جو دیکھ سکتا ہے نہ پکڑ سکتا ہے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانون کہتا ہے جو چاہے کرو مگر گرفت میں نہ آؤ۔ اس لئے عام مقولہ بن گیا ہے کہ قانون (حکومت کا) اندھا ہوتا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام کا قانون اندھا ہوتا ہے اور اعمال بد کر کے انسان بچ سکتا ہے جب کہ اللہ پاک کی چشم بینا سب دیکھتی رہتی۔ ہے اعمال لکھنے فرشتے مقرر ہیں۔ بروز قیامت سزا سے بچنا محال ہے ناقص قانون بنا کر اسلام کے قانون میں نقص نکالنے والی حکومت کے تعلق سے علامہ اقبال فرماتے ہیں

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں ٭ راہبر ہو ظن و تخمین تو زبوں کار حیات

زوال پذیر قوم کا افسوسناک اندازِ فکر

مسلم پرسنل لاء کے سلسلے میں ہم اللہ اور رسول کے احکام میں ترمیم و مداخلت برداشت نہیں کر سکتے کی بنیاد پر مسلمانوں نے کافی چیخ و پکار کی ایک سوال اٹھتا ہے کہ آیا صرف پرسنل لاء کے احکام ہی مکمل احکامِ اسلام ہیں یا اور بھی احکام ہیں؟ مکمل احکام اسلام کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا، زانی کی سزا بار اول کوڑے اور بار دوم یا شادی شدہ کی صورت میں سنگسار ہے۔ شراب پینے کی صورت میں کوڑے کی سزا مقرر ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہم آزاد ہوئے ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہمارا دستور بنا جس میں تمام مذاہب کو یکساں احترام اور ہر ایک کو اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی اور حق دیا گیا تو ہمارے علماء اور سیاسی رہنماؤں نے حکومت کو مجبور کرنا تو درکنار اس وقت سے آج تک آواز بھی نہیں اٹھائی کہ غیر مسلموں کے ساتھ چاہے کسی قانون کا نفاذ کیا جائے۔ ہمارے ہاں قانونِ الٰہی موجود ہے جو ہمیں عزیز از جان ہے لہٰذا مسلمان مجرمین پر اسلامی قانون کا نفاذ کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کئی مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو شرعی حد جاری کروانے شرعی سزا پانے خود ملزم حاضر ہو کر درخواست کرتا تھا ہمارے لئے اسلام کا ایک جزو قابلِ قبول، قابلِ عمل و تعمیل ہو دوسرا نظر انداز کر دیا جائے تو اس سلسلہ میں ہمارا کیا جواب و جواز ہے؟ گویا ہمارے ہندوستان کا وہی اسلام ہوا جیسا کہ علامہ فرماتے ہیں۔

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت ٭ وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو ٭ آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل ٭ جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید ٭ جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ٭ ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہم اپنے آپ پر ماتم کیوں نہ کریں؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صرف بلبلانے کے لئے زندہ رہ گیا ہے اور تقاریر کا دھواں اٹھانے۔ وہ سمجھتا کیوں نہیں کہ حکومت کو ہماری یہ حرکات دیکھ کر مسکراتے اور تماشہ

بنے میں مزا آتا ہے کبھی ہم حکومت کا شکوہ کرتے ہیں، کبھی عدالت کے فیصلوں کا ماتم۔ حکومت
سلمانوں کی نادانی دیکھ کر بلی کا کھیل اور چوہے کی موت کے مقولہ پر عمل کر رہی ہے۔ مسلمانوں
ز خود اپنا شعور بیدار کرنا ہوگا اور مسلمانوں کو زندہ قوم ہونے کا ثبوت دینا ہوگا۔ مسلمان
پنے مذہب کا آپ احترام کرنے کی پالیسی بنانی ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان
پنے مسائل آپ حل کرنے لگ جائیں تو حکومت یقیناً بے بس ہوکر رہ جائیگی۔ ایسی صورت
حکومت کے لئے نہ کوئی راستہ نکلے گا نہ عدالت کے لئے کہ مسلمانوں کے معاملات میں
ں اندازی کرے ہم ہی ہیں جو عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور ان حکومت کے قانون
تحت طالب انصاف ہوتے اور اپنے فیصلے کروانا چاہتے ہیں جو ہمارے مذہب کے احکام
خلاف ہیں۔ اور پھر ہم ہی بلبلاتے چیختے اور شور مچاتے ہیں اور حکومت مزے لیتی رہتی
ہے۔ پرانی کہاوت ہے کہ جب تک کلہاڑی جھاڑ کو نہیں کاٹ سکتی جب تک اس کی ذات
شئے یعنی لکڑی اس میں داخل نہیں ہو جاتی۔ ہم ہی مسلمان کہلا کر مسلم پرسنل لاء میں مداخلت
ہتے ہوئے صدر جمہوریہ سے بھی ملتے ہیں اور حکومت کے قوانین سے ناجائز استفادہ کرنے رجوع
عدالت بھی ہوتے ہیں۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" کا مصداق بن کر کیا ہم نہیں
جاتے؟ ہم کیوں اپنے خود قائم کردہ عدالت ہائے دار القضاء سے اپنے فیصلوں کے لئے رجوع
ں ہوتے اور ان فیصلوں کو قبول نہیں کر لیتے؟ خاندان کے بزرگوں اپنے احکام الٰہی کے تحت
م کردہ پنچایت سسٹم کے ذریعہ علماء اور جامعہ نظامیہ اور دیو بند کے فتوؤں کے ذریعہ اپنے مسائل
ں نہیں کر لیتے اور خود اپنے پرسنل لاء کا احترام باقی نہیں رکھتے؟ اور اپنی زندگی کا ثبوت
ں نہیں دیتے؟ اسلام کی فیض رساں فطرت نے جو دیدۂ شاہین یعنی بلند نگاہ بخشی
ہے اس میں غلامانہ ذہن نے ہمیں کیوں بھٹکتی ہوئی نگاہ سے ہمکنار کر دیا ہمارا نقشہ تو علامہ
بال یوں کھینچتے ہیں۔

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ؎ تری پرواز لولاکی نہیں ہے
ترے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں ؎ ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا میں صدف صدف
فیض نطرت نے تجھے دیدۂ شاہین بخشا ؎ جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش

ہمارا پرسنل لاء خدا کی قسم ناقابل ترمیم ہے۔ لہٰذا ہمیں اس میں نہ ترمیم کی ضرورت
ہے نہ یکساں سیول کوڈ کی۔ ہمارا یہ کہنا اعتقاداً نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا

تجزیہ و تجربہ چودہ سو سال سے زائد حالات زمانہ نے کیا اور ہر دور صداقت ہمیشہ اس پر ثبت کی ہے۔

طلاق کی ضرورت اور اہمیت

مسلم پرسنل لاء کے دشمنوں کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ طلاق چاہے کتنی ہی مکروہ، اسلام نے کیوں نہ قرار دی ہو اس کے جواز کو اسلام نے خواہ مخواہ مکروہ کہتے ہوئے یوں ہی تسلیم نہیں کیا ہے اور نہ یوں ہی اس کی اجازت دیدی ہے۔ طلاق کی اجازت ہرگز عورت پر ظلم نہیں ہے۔ بعض مواقع انسانوں کی زندگانیوں میں ایسے بھی آتے ہیں جہاں طلاق رحمتِ خدا بن جاتی ہے۔ اگر ان خاص مواقع پر طلاق کو جائز نہ قرار دیا جاتا تو زندگانیاں گناہوں سے لبریز ہوجاتیں۔ ظلم و ستم اور ناموافق حالات کا زندگی بھر سامنا رہتا۔ زندگی کی تلخیاں خودکشی جس کو اسلام اور حکومت دونوں کا قانون منع کرتا ہے پر ختم ہوتیں۔ علامہ ان ناسمجھ دشمنانِ اسلام جو طلاق کے مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی ؎ اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام
مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق ؎ عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام

اسلام کے احکام طلاق کے مخالفین کے گال پر قدرت کے طمانچے

آئے دن اخبارات میں خبریں شائع ہوتی ہیں کہ شوہر کی زیادتی ساس وخسر کے ظلم یا جہیز کے کم لانے پر تکالیف دینے پر ایک دلہن یا برسوں صبر کرنے کے بعد ایک عورت نے خودکشی کر لی۔ کیروسین چھڑک کر آگ لگالی باؤلی میں چھلانگ لگاکر جان دے دی۔ ایک مرد نے بیوی کی بدچلنی کی وجہ سے برقی پنکھے سے پھانسی دے کر زندگی کا خاتمہ کر ڈالا۔ درانتی سے بیوی کی ناک کاٹ دی یا اسے قتل کر ڈالا۔ لائق غور یہ ہے کہ یہ تمام خودکشی کے اور اس نوعیت کے واقعات ان ہی لوگوں میں پیش آتے ہیں جو اسلام کے قانون طلاق کے مخالف ہیں اور طلاق جن کے ہاں جائز نہیں اور حکومت کے قانون کے تحت بھی اتنی مشکل کہ خودکشی کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا تو یہ ہے ان کے گال پر قدرت کے طمانچے مگر افسوس تو ان مسلمان مرد اور خواتین پر ہے جو اپنے آپ کو آزاد خیال سمجھ کر دشمنانِ اسلام کے ہم خیال ہو کے قوانین اسلام کو ناقص سمجھتے ہیں۔ علامہ

اقبالؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مصلحتاً کہہ دیا میں نے مسلمان تجھے ؎ ترے نفس میں نہیں گرمیٔ یوم النشور
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ؎ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بعد طلاق نفقہ خودی کی موت ہے

عورت کا بعد طلاق عمر بھر نان و نفقہ سابقہ شوہر سے پانے کا موجودہ ہندی اور امریکی و فرنگی قانون جو صدیوں عورتوں پر مظالم کرنے کے بعد اس کے ردعمل کے طور پر بنایا گیا ہے اس کے تحت عورت کو اس کی شرارت کے باوجود بھی علیحدگی کی صورت میں مرد کی جائیداد کا نصف و تنخواہ کا نصف دیکر علیحدہ کیا جاتا ہے یا ہندستان میں تا عقد ثانی نفقہ دلایا جاتا ہے۔ یہ دراصل عورت کی خودی کی موت ہے اور مرد کی فتح۔ عورت پر اہل یورپ اور اہل ہند نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے صدیوں مظالم کئے اور اب ظلم کی یہ صورت نکالی گئی ہے کہ عورت کی خودی کا قتل کر دیا جائے اور دوسرا پہلو جو عیاں ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی برتری عورت پر قائم رہے کہ وہ تعلقات ختم ہو جانے پر بھی غیر مرد کی کمائی بصورت صدقہ کھاتی رہے اور یہ ثابت کرے کہ عورت مرد کے صدقہ اور خیرات کے بغیر جا ہے وہ مرد غیر اور اس کیلئے غیر متعلقہ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو جی ہی نہیں سکتی۔ یہ ایک نئی نوعیت کا ظلم ہے جس کو ایک ذی حس اور خوددار طبع عورت سمجھ سکتی اور خود کہہ سکتی ہے کہ یہ بلاشبہ خودی کی موت ہے، خودی مومن کی شان ہے۔ جب خودی کھو کر حکومت بھی حاصل کی جائے تو علامہ فرماتے ہیں۔

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے ؎ مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

ایسی حکومت جو ایسا قانون بناتی ہے جو مذہب کے خلاف ہو چنگیزی حکومت ہے۔ جو چنگیزی قانون کو پسند کرتی اور نافذ کرتی ہے ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

پھر فرماتے ہیں عمر بھر یا تا عقد ثانی بعد طلاق نفقہ لینے پر۔

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض ؎ نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ؎ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر ؎ قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام!

جب زن و شوہر میں تعلق ہی منقطع ہو جائے تو بعد عورت بھی مرد سے نفقہ حاصل کرنا کس قدر شرمناک امر متصور ہوگا۔ اسلام نے بھیک کی شرمناک زندگی سے منع فرمایا اور قرآن پاک میں اللہ پاک فرماتے ہیں اپنا ہاتھ نیچا نہ کرو یعنی بھیک وخیرات کے لئے نہ پھیلاؤ۔ اسلام کسی حق ہی کے تحت کچھ کھانے یا محنت کے ذریعہ روزی کمانے کی تلقین فرماتا ہے اس قسم کی عورتوں اور مردوں جو امریکی، یوروپی، فرنگی، ہندی ناقص تہذیب و قانون کے آگے اپنی خودی کھو کر گرویدہ ہو رہے ہیں۔ علامہ سمجھاتے ہیں اے مسلمان!

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی ؎ یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف ؎ یہ ذوق سکھاتا ہے آداب مرغ چمن کو
ہوئی تربیت آغوش بیت اللہ میں تری ؎ دل شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی

عمر تمام بعد طلاق یا دوسرا عقد کرنے تک نفقہ پانا غور کرنے کا مقام ہے کہ انسانی طبع کا میلان ہمیشہ حرص کی جانب رہتا ہے۔ حرص و ہوس کے تحت ایسی عورتیں خانگی نکاح جس کا ثبوت نہ ہو کر سکتی ہیں جس طرح کئی ملازم سرکار نے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کئے ہیں۔ ایک اور مثال کہ جب گورنمنٹ نے فیملی پنشن کے لئے بیواؤں پر شرط عائد کی کہ وہ دوسرا عقد کریں تو پہلے شوہر کا وظیفہ بند۔ کتنی مثالیں ہیں کہ دوسرا عقد نہ کرنے کا صداقت نامہ ہر سال داخل کر کے وہ عورتیں پہلے شوہر کا وظیفہ اٹھا رہی ہیں۔ حالانکہ دوسرے شوہر سے خانگی عقد بھی کر لیا ہے اور بچوں کو بھی جنم دے رہی ہیں سب مرد ہوں یا عورتیں ایک ہی معیار پر نہیں ہو سکتے کہ خواہشات پر قابو پاسکیں۔ بغیر نکاح کے بھی گناہوں میں ملوث رہنے والی مثالیں سامنے ہیں جو ناجائز تعلقات اور ناجائز بچے جنم دیکر وظیفہ سابق شوہر کا پا رہی ہیں یہی وہ نکات ہیں کہ احکام جاری کرتے وقت اللہ اور اس کے رسول صلعم کے پیش نظر رہے ہیں مگر اسکو وہ کیا سمجھیں گے جو بقول علامہ ؎

"کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہو ہو سرد"۔۔۔

پھر ایسی عمر بھر بعد طلاق نفقہ پانے والی عورتوں سے علامہ یوں مخاطب ہیں۔

اس گلستاں میں نہیں حد سے گذرنا اچھا ؎ ناز بھی کر تو باندازِ رعنائی کر

پھر ایسی حکومت جو خود غیرت خودداری سے محروم ہو کر عورتوں کی خودی کا جنازہ نکالنے کے قانون بنا رہی ہے علامہ نصیحت فرماتے ہیں ایسی حکومت کو۔

پہلے خود دار تو مانند سکندر ہو جا ؛ پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر

طلاق کے بعد عورت کی کفالت کون کرے؟

تین ماہ دس یوم مدت عدت گزرنے تک تو اسلام نے سابقہ شوہر کو پابند کیا ہے کہ نان ونفقہ مطلقہ عورت کرادا کرے۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ اگر عورت کو اس شوہر سے حمل ہے تو ظاہر ہو جائے اور بچہ کی ذمہ داری باپ پر عائد ہو جائے۔ بعد مدت عدت اسلام نے بصورت عدم حمل عورت کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح بے بس نہیں کر دیا اگر مسلم ہوتے ہوئے ہندو معاشرت سماج تہذیب کے اثرات قبول کریں تو اس میں احکام اسلام کا قصور نہیں صرف اقوام غیر کی لغو تقلید کی وجہ سے مسلمان زوال پذیر ہو گیا اسلئے علامہ فرماتے ہیں ع ”تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی“

اسلام نے تو کسی مسئلہ کو تشنہ رہنے ہی نہیں دیا کہ طلاق شدہ عورت کا کون کفیل ہو تا عقد ثانی؟ حضرت سراقہ بن مالک رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاؤں؟ پھر فرمایا وہ تمہاری بیٹی جو تمہارے پاس لوٹائی گئی ہے اور تمہارے سوا اس کا کوئی کما کر کھلانے والا نہیں (ابن ماجہ) یعنی ایسی عورت جس کی شادی کے بعد کسی وجہہ سے طلاق مل گئی تو اس کی پرورش کو بہترین صدقہ آقائے نامدار نے بتلایا ہے اب سنئے صدقہ کی اہمیت وفضیلت۔ حضرت انس رض بن مالک سے روایت ہے حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے اور انسان کو بُری موت سے محفوظ رکھتا ہے (ترمذی) پھر حضرت عقبہ بن عامر رض بیان کرتے ہیں فرمایا حضور انور صلعم نے ”قیامت کے دن جب تک لوگ حساب میں مبتلا رہیں گے اس وقت صدقہ دینے والے اپنے صدقہ کے سایہ میں رہیں گے (احمد بن حزیمہ) اس قدر صاف احکام کے بعد مطلقہ عورت بے سہارا کیسے رہ سکتی ہے؟ باپ بھائی اور قریب سے قریب رشتہ داروں پر جن کو رسول برحق صلعم کے ارشادات پر یقین ہے کیا کفالت کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ لیکن جب قوم کو زوال آتا ہے تو وہ اپنی حمیت غیرت اور عزت کا سودا کر بیٹھتی ہے اور اپنی ذمہ داری بھول کر حکومت سے کفالت کا مطالبہ کر بیٹھتی ہے بعض خواتین نے ذریعہ اخبار مطلقہ کی ذمہ داری حکومت کو قبول کرنے کا مطالبہ کیا جو زیادہ لائق توجہ نہیں مگر

زیادہ افسوس اور حیرت تو اخبار سیاست مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۵ء میں مجلس علماء کا بیان پڑھ کر ہوتی کہ اس استدلال پر کہ حکومت مسلمانوں سے ٹیکس لیتی ہے لہٰذا مطلقہ عورتوں کا نفقہ خزانہ حکومت سے حکومت ادا کرے اور کفالت کی ذمہ داری حکومت لے لے۔ ایک سوال تو یہ ہے کہ حکومت ٹیکس کس چیز کا لیتی ہے اور علماء چاہتے کونسی چیز ہیں، دوم یہ کہ یہ ایک ایسی دلیل ہے جو نہ قابل قبول اور عمل بلکہ قوم کے لئے حکومت سے ایسا مطالبہ خود اپنے ہاتھوں اپنے منہ پر طمانچہ ہے کہ مسلمان عورتوں کو طلاق دیتے جائیں اور حکومت کفالت کی ذمہ داریاں قبول کرتی جائے۔ کل ہمارے علماء یہ کہنے نہ لگ جائیں کہ چونکہ حکومت ٹیکس لیتی ہے لہٰذا جو مسلمان اپنی بیویوں کا مہر ادا نہ کریں اور اپنی بیویوں کی پرورش نہ کریں حکومت خزانہ سے ان کا مہر ادا کرے اور بیویوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی قبول کرے کیا یہ قرین عقل، قرین انصاف بات ہوگی؟ علامہ حضرت اقبال نے اسی لئے فرمایا ہے۔

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور ٭ کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام
کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت ٭ وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو!
خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز

اس سلسلہ میں صرف ایک واضح فیصلہ صرف اس قدر ہے کہ :۔

(۱) مطلقہ عورت کا خاندان فارغ البال ہو تو اس کی کفالت کا بار رسول اللہ صلعم کے مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں خود اٹھائے اور اپنے خاندان اور قوم کی غیرت کو نیلام نہ ہونے دے (۲) اگر وہ فارغ البال اور خوشحال نہیں بلکہ بہت ہی تنگ دست ہے تو یہ ذمہ داری اس وقت بھی حکومت پر نہیں بلکہ قوم پر عائد ہوتی ہے کہ جہاں بیت المال قائم ہیں وہاں بیت المال سے اور جہاں قائم نہ ہوں وہاں بیت المال قائم کر کے قومی سطح پر اس ذمہ داری کی تکمیل کیجا سکتی ہے (۹) اراکین بیت المال بصورت کمیٹی اس بات کی تحقیق کریں کہ طلاق کے معاملہ میں مرد کا قصور تھا یا عورت کا اگر بعد تحقیق ثابت ہو کہ غلطی عورت کی تھی تو سردست عورت کو اس کے صواب دید پر چھوڑ دیا جائے کہ آئندہ دوسری عورتوں کے لئے درس عبرت ہو۔ (ب) اگر فیصلہ اراکین بیت المال سے یہ ثابت ہو کہ غلطی مرد کی تھی تو ایسی مطلقہ عورت کی پرورش کی ذمہ داری حکومت پر نہیں بلکہ قوم پر عائد ہونی چاہیئے بشرطیکہ اس کے سرپرست نہایت ہی نادار ہوں اور عورت شرعی حدود میں رہ کر کمانے کے قابل نہ ہو

نکاح کرنے میں تامل کر رہا ہو تو بیت المال اس کو گزارہ قوم سے وصول شدہ رقم
، اور اس مرد کو جس نے اس کو ظالمانہ انداز سے طلاق دی ہے۔ ایک مراسلہ
یہ اخبار میں بھی شائع کیا جائے کہ قوم آپ کی اس اللہ اور رسولؐ کے خلاف
ت سے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے آپ کو مکروہ نظروں سے دیکھتی ہے اور مطلقہ
کی کفالت اپنے ذمہ لیتی ہے۔ تاکہ دوسرے مردوں کے لئے درس عبرت ہو۔
راکین بیت المال اسی بات کی کوشش اور اعلان کریں کہ کوئی خدا ترس
سولؐ کے احکام کے تحت اس کا ہاتھ تھام لے اور اس کی زندگی کی خوشیوں
وہ ماضی کی تلخیوں کو بھول جائے تاکہ ہم زندہ قوم کہلانے پر فخر کر سکیں۔ (۵) قوم
م کر سکتی ہے اور اس مالیہ سے گھریلو صنعتیں بغرض صحت مند عورتیں قائم کر کے
ان مطلقہ عورتوں کو تا عقد ثانی فوقیت دی جا سکتی ہے۔ یہ تو سب جانتے
ے قوم کی حالت از روئے قرآن پاک کبھی نہیں بدلتا جس کو خود اپنی حالت
ں نہ آئے حکومت کے کندھوں پر بیٹھ کر اندھوں معذوروں کی طرح کہنا کہ ہمیں
و ہماری قوم کی حمیت خودی اور عزت و غیرت پر وہ تازیانہ ہے جسکو آنے
ے معاف کر سکینگی اور نہ ایسی اپاہج زندگی کو خدا اور اس کا محبوب خود دار
تند فرما سکتا ہے۔ علامہ اس سلسلہ میں وضاحت و تقابل ان لوگوں کا جو
طلقہ کی پرورش کا مطالبہ کر کے خودی کا سودا کرنے تیار رہیں خودی کے حامل
رح فرماتے ہیں۔

بندۂ حق بین کی خودی ہو گئی بیدار	شمشیر کی مانند ہے برندہ و براق!
ے نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار	ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق!
ر دِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو	تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق!
، ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی	وہ پاکیٔ فطرت سے ہوا محرم اعماق!

...مل سنت میں مضمر

حضرت عمرؓ کی صاحبزادی ام المومنین
حضرت حفصہؓ بہت تند مزاج تھیں
بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ سے
بے عقد میں لینے خواہش کی دونوں نے معذرت چاہ لی۔ آقائے نامدار

صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عقد نکاح میں لے کر ایک ایسی مثال قائم فرمائی جو ہر عالم اور ہر عاشق رسول ؐ کے لئے لائق پیروی ہے بی بی زینب رضؓ کو حضرت زید رضؓ نے طلاق دی تو آقائے نامدار صلعم نے اپنے عقد نکاح میں لے کر قیامت تک آنے والے مطلقہ عورتوں کا حل امت کو بتلا دیا۔ رسول اللہ صلعم کا ہر نکاح امت کے لئے ایک سبق تھا اور ہے اگر علمائے دین اور مسلمان ان زرین سنتوں پر عمل کریں تو بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی کفالت کا سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ مگر زوال پذیر مسلمانوں کا تو کیا ہمارے زوال پذیر علماء تو صرف سنّت کی پیروی کے نعرے لگاتے اور نصیحت فرماتے اور صرف داڑھی رکھنے کی ایک سستی سنت کو زندہ رکھنا اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے باکرہ صاحب دولت لڑکیوں سے رسوم کے ساتھ بیاہ رچانا ہی پسند فرماتے ہیں۔ بیواؤں اور مطلقہ عورتوں سے نکاح تو دور کی بات رہی بیوہ اور مطلقہ کی باکرہ ناکتخدا لڑکیوں کو تک خود یا اپنے لڑکوں کے عقد نکاح میں لانا مناسب ہی نہیں سمجھتے اسلئے علامہ فرماتے ہیں۔

تجھ کو معلوم ہیں پیران حرم کے انداز ؎ ہو نہ اخلاص تو دعویٰ نظر لاف وگزاف
مرد سادہ تو درو کے ہو گیا نا ٹ ؎ خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق
میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا ؎ مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
نظر آئی نہ تجھے قافلہ سالاروں میں ؎ وہ شبانی کہ ہے تمہید کلیم اللہی

ایک غلطی کا ازالہ کہ مرد ہی ظالم

ایک نظریہ یہ کہ مرد ہی عورتوں پر مظالم کرتے ہیں ہر وقت صحیح نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اچھے مرد بھی ہیں اچھی عورتیں بھی بدکردار وجاہل مرد بھی ہیں۔ بدکردار وجاہل عورتیں بھی۔ فرائض سے غفلت وگریز کرنے والے مرد بھی ہیں اور اپنے فرائض سے غفلت وگریز کرنے والی عورتیں بھی۔ کبھی غلطی مردوں ہی کی ہوتی ہے کبھی عورتوں کی بھی۔ بعض اوقات طبائع کا اختلاف غضب بن جاتا ہے۔ بعض مرتبہ ون وے ٹرافک کی طرح غلطی ایک ہی کی ہوتی ہے۔ تو بعض مرتبہ تالی دونوں ہاتھ مل کر بجاتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "میں نے شب معراج جہنم میں عورتوں کی اکثریت دیکھی جو مردوں کی نافرمانی کی وجہہ سے جل رہی تھیں"۔ عورت کا اپنے آپ کو کمزور سمجھنا حقائق سے گریز ہے۔ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوت ارادی جس پر برائی اور اعمال اور فتح کا دارومدار

ہے وہ عورت میں بمقابلہ مرد کئی گناہ زائد ہوتی ہے جس طرح مرد شیر د ہاتھی کے مقابلہ میں کمزور رہتے ہوئے شیر د ہاتھی پر قابو پا جاتا ہے اسی طرح عورت اپنی قوت ارادی حسن اخلاق حسن کردار سے نہ صرف مرد پر غلبہ پا سکتی ہے بلکہ اس کے خاندان کی تک اصلاح کر سکتی ہے۔

اب رہا ہر وقت عورت کا اپنے آپ کو مظلوم سمجھ کر مرد ہی کو جذباتی انداز سے ظالم کہنا جذباتی نقطۂ نظر سے صحیح ہو تو ہو مگر یہ واقعاتی اور تاریخی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ عورت جہاں قوت ارادی کی حد تک مرد کے مقابل میں اپنی انتہا پر ہوتی ہے تو وہیں ضد کی حد تک کبھی اپنی آخری منزل پر رہ کر تریاہٹ کے کرشمے دکھاتی اور تریاہٹ کے مقولہ کو ہر وقت زندگی دیتی رہتی ہے۔ زیادہ بحث سے گریز کرتے ہوئے اگر آغاز دنیا پر نظر ڈال لیجائے کہ آدمؑ کے پائۂ استقلال کو جنبش کس نے دی؟ کس کے بہکاوے میں آکر آدم علیہ السلام جنت سے محروم اور توبہ و استغفار کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے؟ تاریخ اسلام میں جہاں ابوجہل ابولہب جیسے مرد نظر آتے ہیں کیا وہیں اہلیہ ابولہب و ہندہ نہیں ہیں۔ ہاں وہی ہندہ جس نے جگر خوار لقب پایا۔ کس انداز سے دف بجاتی اللہ اور اس کے رسول صلعم کے خلاف جنگ کے شعلوں کو ہوائیں دیتی ــ آیا تاریخ میں نظر نہیں آتی کہ اس کا ہم وزن ان اوصاف میں کوئی مرد نہ ہو سکا۔

عورت کوئی کمزور ذات سے مراد نہیں بلکہ یہ قوموں کی قوت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ آج کل تو ناقص العقل کے القاب کے مرد مستحق قرار پا رہے ہیں۔ جب کہ عورت کو ناقص العقل کہا جاتا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ عورتوں نے سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے، جنگوں کے نقشے بدل دیئے۔ اب جب کہ آزادی نسواں شباب پر ہے تو مردوں کو ظالم ٹھہرانا شاعرانہ انداز و مزاج کہا جائے گا۔ درحقیقت زندگی کی ریل مرد اور عورت کی دو متوازی پٹریوں پر بھاگتی ہے جہاں پٹریوں کے فاصلے میں فرق آیا یہ زندگی کی ٹرین پٹریوں سے اتری ہی نہیں الٹ گئی۔

عورت کلیدی مقام پر اور پھر شکوہ مرد؟

اسلام نے ماں کا مقام باپ سے دوگنا زیادہ قرار دیا

ہے۔ مردوں کو ظالم ٹھہرانے والی عورت ہی مردوں کو جنم دیکر انہیں تعلیم اور تربیت کے زیور سے اولاً آراستہ کرتی ہے ماں کا آغوش ہی مرد کا مکتب اولین ہے۔ عورت ہی بحیثیت ماں اپنے حسن کردار کی روشنی سے اولاد کے کردار روشن وحسین بناتی اور اس کو بگڑے کام بنانا سیکھاتی ہے۔ عورت ماں کے روپ میں خورشید تاباں ہے یعنی بقول حضرت اقبالؒ۔

انجمن حسن کی ہے تو تری تصویر ہوں میں　　عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں
رتبہ ترا ہے بڑا، شان بڑی ہے تری　　پردۂ نور میں مستور ہے ہر شئے تری
ہے ترے نور سے وابستہ بود و نبود　　باغباں ہے ترا ہستی پے گلزار وجود
میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے　　بار مجھ سے جو نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے
نور خورشید کی محتاج ہے ہستی میری　　اور بے منت خورشید چمک ہے تری
ہو نہ خورشید تو ویراں ہو گلستاں میرا　　منزل عیش کی جا، نام ہو زنداں میرا

پھر تو ظالم عورت ہی

جب تربیت کی ذمہ داری بعد جنم بحیثیت اتالیق اول عورت پر ہے۔ بچہ باپ سے زائد ماں کے قریب رہتا اور اس کو باپ سے زیادہ چاہتا ہے۔ بچے کے ذہن کو صحیح انداز سے شعور سنبھلتے وقت سے ابھارنے کا موقع عورت ہی کو حاصل ہے اس کے باوجود اگر عورت اچھے مرد اور اچھی عورتیں قوم کو بعد صحیح تربیت فراہم نہ کرے۔ عورتوں کو اچھے شوہر اور شوہروں کو اچھی بیویاں حسن تربیت سے آراستہ کرکے مہیا نہ کرسکے پھر مرد ہی کو ظالم ٹھہرائے تو علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎ - "شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور"

عورت زمانۂ قدیم سے اپنی بہو جو ایک عورت ہی ہوتی ہے کے لئے ظالم بنی رہی چند مثالیں خود ہمارے سامنے بھی ہیں جنہیں ہم نے خود دیکھا ہے آج بھی عورت خود جب ساس کے روپ میں جہیز اور دیگر امور میں بہو کے لئے ظالم نظر آئے اپنے شوہر اور بیٹے کے رجحان کو بہو کے خلاف ظلم کرنے کی طرف ایک عورت ہوکر مائل کرنے کمربستہ ہوجائے تو بلاشبہ مرد نہیں بلکہ بڑی ظالم عورت ہی کیوں نہ کہی جائے چونکہ اس نے نہ اپنی جوانی میں بچوں کی صحیح تربیت کی نہ اب اپنی ضعیفی میں صحیح رہبری اپنے بیٹے کی کررہی ہے بلکہ ظلم کا سرچشمہ بنی ہوئی علامہ کے ان اشعار کی تفسیر بن گئی ہے۔

وہ شعلہ روشن ترا ظلمت گریزاں جس سے تھی ۔ گھٹ کر ہوا، تارے سے بھی کم نور تر
آہ اے رو زعیاں کے نہ سمجھنے والے ۔ حلقۂ دام تمنا میں الجھنے والے
ہائے غفلت کہ تری آنکھ ہے پابند مجاز ۔ ناز زیبا تھا تجھے تو ہے مگر گرم نیاز
تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے ۔ نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیہ کار رہے

تعداد ازدواج کیا عورت پر ظلم؟

بعض دشمنان اسلام خاص طور پر اہل مغرب اور بعض افراد زوال پذیر قوم کے اپنے آپ کو روشن خیال سمجھنے والے خاص طور پر خواتین ازدواج کو عورت پر ظلم تصور کرتے ہیں جب کہ پارہ (۴) سورت النساء رکوع (۱) میں اللہ پاک فرماتے ہیں :-

مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ

ترجمہ : "اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو، دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے"۔ گویا بیویوں کی تعداد کی آخری حد چار قرار دی گئی ۔ صرف اس اجازت کو اجازت سمجھ کر اعتراض کرنے والے بدنصیب اس کے ساتھ ہی جو حکم صادر ہوا ہے اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں یہ شیوہ عقل مندی نہیں بلکہ صرف جہالت ہے جب کہ اجازت دینے کے ساتھ ہی حکم رب العالمین یہ بھی ہو رہا ہے :-

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ○

ترجمہ : "پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل (بیویوں میں) نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو" اللہ پاک کے اس قدر صاف اور صحیح احکام کے بعد اگر کوئی اس کے احکام میں نقص نکال رہا ہے تو روز قیامت یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس کو اس کے دربار میں حاضر ہونا ہے اب رہا وہ مسلمان جو ایک سے زائد شادیاں کرکے اپنی بیویوں کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے تو ارشاد رسول برحق صلعم ہے کہ "جس شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور انصاف کو اس نے ان کے درمیان برقرار نہ رکھا تو بروز قیامت اس کی پیٹھ ٹیڑھی ہوئی ہو گی"۔ ایک اور حدیث شریف ہے کہ فرمایا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک سے زیادہ رغبت کرے تو قیامت کے دن اس حالت میں آجائے گا کہ اس کا نصف بدن گرا ہوا ہو گا۔ (مشکوٰۃ) ۔ آقائے کائنات صلعم جن کے مبارک قدموں میں انصاف پناہ لیتا تھا خدا سے اس قدر ڈرتے اور خائف رہتے

تھے کہ بیویوں کے انصاف کے بارے میں فرمایا " اے اللہ پاک! جن چیزوں پر میرا اختیار ہے ان میں اس طرح انصاف کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں لہذا تو ان چیزوں پر جو میرے بس میں نہیں ہیں بلکہ تو ہی ان کا مالک ہے مجھ سے بازپرس نہ کرنا (از مرتب) ۔ اس کے باوجود اگر کوئی تعداد ازدواج کو اسلام کا ظلم قرار دیتا ہے تو علامہ اقبال بے چین ہو کر رسول اللہ صلعم سے عرض کرتے ہیں ۔

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس ❊ خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار!

اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ ❊ آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

اور وہ علماء جنہوں نے ماضی میں بادشاہوں اور امراؤں کو دنیوی اپنے مفاد کے پیش نظر بے ہنگام عورتیں رکھنے کے تعلق سے خلاف شرع غلط فتوے دیکر اپنی امامت کا رعب مسلمانوں پر جمایا۔ بقول علامہ

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اسکی ❊ جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

اسی سے پوچھ کہ پیش نگاہ ہے جو کچھ ❊ جہاں ہے یا کہ نقط رنگ و بو کی طغیانی!

ایک سے زائد زوج کی اجازت کے وجوہ

(۱) تعداد ازدواج کا شرط انصاف کے ساتھ جواز کا ایک سبب زنا کے سنگین جرم کے ارتکاب کا انسداد ہے ۔ مغرب جو اس پر معترض ہے یا وہ دشمنان اسلام جو زنا کے مرض میں مبتلا رہ کر حیوانوں کی زندگی گذارنے پر خوش ہیں تو ان گندہ دماغوں کو اعتراض کا حق ہی کیا پہونچتا ہے ۔ (۲) بیوی کے بانجھ رہنے اور اولاد کے پیدا کرنے کی صلاحیت کے مفقود رہنے پر دوسری بیوی کا وجود یقیناً لابدی ہو جاتا ہے ۔ (۳) بیوی کی لگاتار علالت اور اس سے مرد کی جنسی اختلاط سے گریز کا طبی مشورہ زنا کے گناہ میں مبتلا کرسکتا ہے لہذا اس گناہ سے بچنے ایک سے زائد بیوی ضروری ہو جاتی ہے جب کہ پہلی بیوی کو چھوڑنا بھی وہ نہیں چاہتا (۴) ایک بد فطرت دراز زبان فرائض گھریلو سے گریز کرنے والی عورت کی موجودگی کی صورت میں جب کہ مرد کا سکون اور کمائی کے ضائع ہونے کا قوی امکان ہو تو سکون اور انتظامات گھر قائم رکھتے دوسرا نکاح ضروری ہو جاتا ہے ۔ (۵) بعض اوقات کسی دبائی یا حادثہ یا جنگ کی صورت میں مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو بلحاظ جذبات اور بلحاظ کفالت ایک سے زائد عورتوں کو ایک مرد کے نکاح میں لینا ازبس

لابدی ہو جاتا ہے تاکہ گناہوں سے گریز کرتے ہوئے پاکیزہ نظام کی تشکیل عمل میں
ندہ فطرت، گندہ مزاج، گندے ماحول و سماج کا حامل اس پاکیزہ ماحول کی تشکیل
سند کرے گا۔ بقول حضرت اقبال ؎

نیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد ؎ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

ل پذیر قوم کی عورت اور جہیز

مسلمانوں کی شادیوں میں ہندو رسومات اور ہندو رواج کی غلامی اور شدت سے
ان تک تعلق ہے علامہ فرماتے ہیں :۔

مان ہے توحید میں گرمجوش ؎ مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
قت خرافات میں کھو گئی ؎ یہ امت روایات میں کھو گئی
خوب دنا خوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز!

معنی ہیں وہ سامان جو بیٹی کی شادی میں ماں باپ کی طرف سے دیا جائے بعض لغات
نگ عامرہ عربی فارسی اور ترکی لغات) میں اس کے علاوہ دوسرے بھی جو معنی
ہیں ۔ وہ ہیں "سامان دفن مردہ" آج کل جہیز کے معنی نمبر۲ سامانِ
نا زیادہ مناسب ہوگا۔ جہیز جو عروس کو پژمردہ ضعیف اور اس کے
مردہ بنانے کے سامانِ مہیا کرتا ہے یقیناً سامان دفنِ مردہ کا ہی مستحق ہے۔
م زمانہ میں مصر میں میت کو مصالحہ جات میں لپیٹ کر محفوظ کرنے کا فن اپنے عروج
کی ایک مثال چار ہزار سال کی ایک زنانی میت ہے جس کے بارے میں کہا جاتا
ن کی بیٹی تھی ۔ یہ میت میوزیم ہال باغ عامہ حیدرآباد میں جہاں دوسری نایاب چیزیں
"MUMMY" بھی ایک شوکیس میں رکھی ہے جو بہ عہد نظام سابع میر عثمان
رسے لائی گئی ۔ قدیم اہلِ مصر کا یہ عقیدہ تھا کہ بعد مرنے کے بھی ارواح کو سامان کی
ہے۔ چنانچہ میت کو مصالحہ جات کے ذریعہ محفوظ کرکے ایک تہہ خانے میں سپری
ا اور مقبرہ تہہ خانہ پر تعمیر کیا جاتا اور تہہ خانے میں تمام ضروریات زندگی کا سامان حسب
ے کے استعمال کے لئے رکھ دیا جاتا ۔ آج کل بالکل یہی ہو رہا ہے مگر فرق یہ ہے کہ
نہیں بلکہ زندگی ہی میں ـــ زندہ دلہن کو مردہ بنا کے لے جانے والے مردہ قلب
اس کے مردہ ضمیر ماں باپ کو بھی اسی طرح سامان بغرض استعمال بنام جہیز

چاہیئے ۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

کھو دیا گیا جو مطلب تھا دو دو ملت میں تو سمجھے گا نہ تو جب تک بے رنگ نہ ہو ادراک

آیا جہیز دینا سنت نبوی ہے؟

اگر جہیز دینا سنت رسول مقبول صلعم ہے تو قسم بخدا درست اور امت کے لئے لائق پیروی ہے مگر تاریخ بتلاتی ہے کہ آقائے نامدار صلعم کی بڑی صاحبزادی زینب رض جن کی پیدائش نبوت کے دس سال قبل ہوئی تھی اور جن کی شادی مالدار والدہ ام المومنین حضرت خدیجہ رض کی زندگی میں بہ شہر مکہ ہی ابو العاص سے ہوئی تھی کسی جہیز دینے کا کہیں تاریخ میں حوالہ نہیں ملتا سوائے ایک ہار کے جو مالدار ماں نے بیٹی کو تحفتاً اپنے مرنے سے قبل دیا تھا ۔ یہ ہار جب کہ ابو العاص مسلمان نہ ہوئے تھے اور جنگ بدر میں شکست کے بعد قیدی بنا کر دیگر کفار کے ساتھ مدینہ لائے گئے تو بطور فدیہ وہی ہار حضرت بی بی زینب رض نے روانہ کیا تھا ۔ جو صحابہ رض کی اجازت لے کر رسولِ عادل صلعم نے واپس کر دیا تھا ۔ رسول خدا صلعم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رض اور بعد وفات حضرت ام کلثوم رض حضرت عثمان رض کے عقد میں یکے بعد دیگرے دی گئیں کوئی جہیز نہیں دیا گیا ۔

خاتون جنت کی شادی میں جہیز کا ذکر کیوں؟

تاریخوں میں سیدۃ النساءؑ حضرت فاطمہ الزہرہ خاتون جنت کی شادی کا ذکر آیا ہے وہاں جہیز کا لفظ خواہ مخواہ استعمال ہوا ہے جس سے غلط فہمی جنم لینے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس تعلق سے روز روشن کی طرح حالات عیاں ہیں کہ حضرت علی رض شیر خدا بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ پرورش اور سرپرستی میں رہے لہٰذا حضرت علی رض آپ ہی کے گھر میں رہتے تھے ۔ بعد شادی متاہل زندگی گذارنے ضروری سامان کی فراہمی بحیثیت سرپرست آقائے نامدار صلعم ہی کو کرنی تھی جس کو جہیز کا نام دینا مناسب نہیں ۔ آگے اور وضاحت آئے گی ۔

حالات نکاح دختر دلبر رسول مقبول صلعم

حضرت سیدہ فاطمہ رض زہرا جس طرح سب سے چھوٹی دختر نیک اختر ہی تھیں ۔ اس دین و دنیا کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ سے اشارہ پر سب جانثار صحابہ رض اپنی دولت آقائے نامدار کے قدموں پر نثار کرنے تامل نہ کرتے تھے جس طرح جنگ کے موقعوں پر

لا کر نثار کرنا ظاہر ہے اس کے باوجود اس شادی کا حال کیا تھا لائق ذکر اور لائق تقلید و پیروی ہے ۔ مواہب لدنیہ میں درج ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا جب میں نے اپنا پیام دیا تو اس وقت سیدالنساء حضرت زہراؓ کی عمر شریف (۱۸) سال تھی ۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس مہر دینے کیا ہے ؟ ۔ حضرت علیؓ نے جو فقر کے شہنشاہ تھے عرض کیا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں (دیکھو ابو داود) فرمایا آقائے نامدار صلعم نے وہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں بطور مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئی تھی (اصابہ) جب وہ زرہ حضرت علیؓ نے خدمت عالی میں پیش کی حکم ہوا اس کو فروخت کر دو ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے چارسو اسی ۴۸۰ درہم میں آپ سے وہ زرہ خریدی ۔ حضرت علیؓ بعد فروخت زرہ جانے لگے تو حضرت عثمان غنیؓ نے روکا اور فرمایا " علیؓ ذرا اس زرہ کو پہن کر تو بتاؤ " جب شیر خدا حضرت علیؓ وہ زرہ پہنے تو دیکھ کر فرمایا " علیؓ یہ زرہ تمہیں کس قدر زیب دے رہی ہے میری جانب سے بطور تحفہ اسے قبول کرو ۔ اللہ اکبر ! یہ محبت ایثار آج کل مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو بلا شبہ غلامان محمدؐ کا مقام دینی و دنیوی حیثیت سے ثریا کی چوٹی کو شرما دے گا اس لئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خود دار ؎ تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار ؎ تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی ؎ نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

بہرحال جب فقر کے شہنشاہ حضرت علیؓ نے زرہ اور رقم دونوں اپنے سرپرست نور خدا صلعم کی خدمت میں پیش کر دی تو آقائے دوجہاں صلعم کی زبان مبارک سے حضرت عثمانؓ کے تعلق سے بڑی دعائیں نکلیں (زرقانی ۱۲) پھر آپ نے اس رقم سے سامان خریدنے کا حکم دیا چنانچہ خوشبو اور کپڑوں کے علاوہ ایک چارپائی ۔ دو چکیاں، مٹی کے دو گھڑے چمڑے کا ایک گدا، جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے بھرے تھے ایک چھاگل ایک مشک اور ایک یمنی چادر خرید ے گئے ۔ (دیکھو سیرت النبی نسائی اصابہ وغیرہ) اب صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ سامان حضرت علیؓ شیر خدا کے زرہ فروخت کردہ سے خرید کیا گیا تو جہیز کی تعریف میں کیسے آئے گا ۔ اور پھر بلحاظ سرپرست یہ کام دوجہاں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو انجام دینا تھا اسلئے آپ نے فکر کی اور انجام دیا لہذا جہیز دینا نہ اسلامی طریقہ ہے نہ سنت یہ

محض ہندوؤں کی رسم اور تمدن کا ایک جزو ہے چونکہ ہندوؤں میں عورت کو وارث میں حصہ نہیں اسلئے بوقت شادی اس انداز سے دیا جاتا تھا اسلام نے تو عورت کو ماں باپ شوہر ہر ایک کی دولت کا وارث بنایا ہے۔

خانہ داماری؟

حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم کے پاس بچپن سے رہتے تھے شادی کے بعد رسول اللہ صلعم نے بیٹی کو اپنے گھر رکھنے کا طریقہ پسند نہ فرمایا اور بیوی کا علحدہ اپنے شوہر کے گھر ساتھ رہنا ضروری و مناسب سمجھا اور ایک گھر کی آپ کو حضرت علیؓ کے لئے فکر ہوئی حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلعم کی نذر کر چکے تھے آنحضرت صلعم اب ان سے کہتے میں متامل تھے۔ حضرت حارثؓ نے سن پایا دوڑ کر حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "میرے پاس جو کچھ ہے سب حضورؐ کا ہے خدا کی قسم جو مکان آپ کے کام آئے وہ میرے پاس رہ جانے والے مکان سے زیادہ مسرت دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مکان خالی کر دیا حضرت فاطمہؓ وہاں تشریف لے گئیں (سیرت النبیؐ) یہ ایک سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو دولت کے نشہ میں داماد کو اپنے گھر رکھ کر خانہ داماری کا شرف دینا اور بیٹی کو بعد شادی اپنی نظروں کے سامنے رکھنا اور اس کو شوہر کی خدمت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ خلاف سنت محبوب الہٰی صلعم ہے۔

عقیدت زبانی اور محبت حقیقی

افسوس تو اس امر کا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور خاتون جنتؓ کے اپنے آپ کو غلام سمجھتے اور بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ حقیقی محبت تو درحقیقت ان بلند مقام ہستیوں کے اعمال کی پیروی میں مضمر ہے جس سے ہم کوسوں دور ہیں آج کسی باپ یا ماں یا نوشاہ یا اس کے ماں باپ میں ہمت ہے کہ وہ سامان زندگی بسر کرنے اپنی بیٹی کے لئے یا بہو کے لئے پسند کریں جو دو جہاں کے آقاؐ نے اپنی صاحبزادی اور حضرت علیؓ نے پسند فرمایا۔

دو جہاں کے مالک صلعم کی بیٹی کی شادی کا فلم!

جہاں آج کل شادیوں کی تقاریب کو فلمایا جا رہا ہے آج آپ آقائے دو جہاںؐ کی دختر کی شادی کا فلم پردہ تاریخ پر ملاحظہ فرمائیے جسے تاریخ نے فلمایا ہے۔ براہ کرم بہ انداز ادب اور بڑی توجہ و غور سے اس فلم کو دیکھئے گا۔

نکاح خاتون جنت کا فلم جنہیں تواریخ نے فلمایا ہے

رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصروف خادم حضرت انسؓ کو حکم فرماتے ہیں جاؤ ابوبکرؓ عمرؓ عبدالرحمٰنؓ اور چند انصار کو لے آؤ۔ حکم کی تعمیل میں سب جمع ہوگئے ہیں۔ حضور انور صلعم خطبہ پڑھتے ہیں اور سب کو گواہ ٹھیرا کر فرماتے ہیں گواہ ہوجاؤ کہ میں نے چارسو مثقال چاندی مہر مقرر کرکے علی سے فاطمہؓ کا نکاح کر دیا اگر علیؓ اس پر راضی ہوں۔ آج کے سہرا باندھے موٹر نشین اسراف کے عادی دولہے سن لیں کہ حضرت علیؓ اس وقت موجود نہیں۔ اس کے بعد ایک طبق میں خشک کھجوریں منگواکر رسول خدا صلعم اچھالتے اور فرماتے ہیں جس کے ہاتھ جو چھوارے آئیں لے لیں' چنانچہ حاضرین اس پر عمل کرتے ہیں' یہی ایک سنت طریقہ اب بعد نکاح رہ گیا ہے جس پر بس آج کل عمل ہو رہا ہے۔ ایسے وقت حضرت علیؓ تشریف لاتے ہیں۔ حضور انور صلعم آپ کو دیکھ کر تبسم زیر ہورہے ہیں اور فرماتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم سے فاطمہؓ کا نکاح چارسو مثقال چاندی مہر مقرر کرکے کردوں کیا تم اس پر راضی ہو؟ حضرت علیؓ جواب دیتے ہیں " یارسول اللہ میں راضی ہوں" بس نکاح ہوگیا تقریب نکاح ختم ہوگئی۔

یہ تھا ایک نمونہ کہ اسلام نے جس سادگی کو مومن کے لئے شیوہ حیات بنایا تھا آج تو چند سادگی پسند مسلمانوں کے مسجد میں نکاح کے واقعات اخبارات میں پڑھنے میں آگئے لیکن مرشدوں اور علماء کی اکثریت کے ہاں شان وشوکت ہی کے مظاہرے ہیں اور سادگی سے وہ کوسوں دور ہیں اور پھر چاہتے بقول علامہ اقبال۔

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم ٭ پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

بس ہمارے زوال اور تباہی کے اسباب خود ہمارے پیدا کردہ ہیں جو آج ہمارے سامنے عیاں ہیں۔

دعوت ولیمہ

دوسرے روز حضرت علیؓ نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور جس سادگی سے ولیمہ کی تقریب ہوئی اس کا مقابلہ آج کی ولیمہ کی تقریب سے کیا جائے تو اپنے زوال کے اسباب کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت علیؓ کی دعوت ولیمہ ہے اور دعوت میں جو کی روٹی' کھجوریں' حریرہ' پنیر' مینڈھے کا گوشت اور بس ختم۔ آج کے زوال پذیر مسلمان قوم سنت کی تکمیل کے بہانے ولیمہ

کرتی ہے تو اسراف کے دریا بہا دیتی ہے اور لغویات کا اظہار دعوت ولیمہ میں کر کے تقریب ولیمہ کو سنت کی تکمیل قرار دیتی ہے۔ اور بصورت روبیہ قوم کے ناداروں کی مدد سے محروم اور خود اپنے مستقبل کے لئے خطرہ اور بصورت عدم مالیہ قرضوں کا بار' علامہ فرماتے ہیں۔

میں ان کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں　؎　جو گھر کو پھونک کر دنیا میں نام کرتے ہیں
اور ہے ترا شعار' آئین ملت اور ہے　؎　زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا
کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بتخانہ ہے　؎　کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا
قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں　؎　تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلا ترا
اے دُرِ تابندہ اے پروردۂ آغوش موج　؎　لذت طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا
اب نوا پیرا ہے کیا؟ گلشن ہوا برہم ترا　؎　بے محل ترا ترنم' نغمہ بے موسم ترا

رسول خدا ؐ کی جانب سے کام کی تقسیم اور آج بغاوت

شہنشاہوں کے شہنشاہ نے مرد اور عورت کے لئے کام کی تقسیم خود اپنی لخت جگر بیٹی اور داماد کے لئے یوں فرمادی کہ حضرت فاطمہ ؓ گھر کے کام آٹا گوندھنا' پکوان' بستر بچھانا صفائی یعنی امورِ خانہ داری اپنے ذمہ لیں اور حضرت علی ؓ باہر کے کاروبار انجام دیں۔ جو لوگ آج اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے دفاتر میں نوکری کروا رہے ہیں وہ رسول خدا ؐ کی اس تقسیم کار کے خلاف بغاوت اور خودی کا سودا کر رہے ہیں۔ پھر بھی نتیجہ یہ کہ معاشی سکون نصیب ہے نہ ذہنی و قلبی اطمینان حاصل۔ معاشی اعتبار سے ناہموار۔ امور خانہ داری بے ہنگام۔ عورت کے روبیہ پر نظر۔ علامہ فرماتے ہیں۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا　؎　ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

کس قدر قابل افسوس ہیں وہ جو سُنّت کی تکمیل میں داڑھی بھی رکھتے ہیں۔ اپنے آپ کو غلامانِ محمد ؐ بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ ؐ کی شان میں نعتیہ کلام بھی جھوم جھوم کے سناتے ہیں اور پھر بیوی کو بے گوشہ کروا کے مردانی دفاتر میں نوکر رکھوا کر اس کی کمائی سے استفادہ کرنا اپنی مردانگی' اور شرع محمدیہ کے خلاف نہیں سمجھتے گویا۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا　؎　کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر
زمانے کے انداز بدلے گئے　؎　نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

ہو اس طرح فاش راز فرنگ ؎ کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ (علامہ اقبال)

زوال پذیر مسلمان قوم کے مرد کو عورت بصورت رقم جوڑا بھی چاہیئے بصورت جہیز بھی چاہیئے اور بصورت کمائی بھی۔ دونوں دن بھر گھر سے غائب بیوی بھی ملازمت کے قفس میں دن بھر زیر حراست خودی سے دونوں محروم۔ بیوی شوہر سے زائد آفیسروں کو خوش رکھنے میں مصروف و منہمک گھر سلیقے سے اور بچے ماں کے حقیقی پیار سے محروم۔ بعض مرتبہ تو صرف عورت کما رہی ہے اور برخوردار شوہر اس کی کمائی کھا رہے ہیں اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر وقت گذار رہے ہیں۔ علامہ شوہر اور بیوی دونوں سے پوچھتے ہیں۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ؎ خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر ؎ قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے سوز ؎ خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام

کس قدر بدنصیب اور زوال پذیر ہوگئی ہے مسلمان قوم جو کہ ہنود، نصاریٰ کی تقلید میں آبائی روایات بھول گئی اور عورت کی کمائی اپنا حق بیٹھ گئی اور عورت کا رول مرد اور بچوں کے لئے کمانا رہ گیا۔ اگر حمیت قومی نہ جاگی نہ خدا معلوم یہ زوال کی طرف مائل قوم کے افراد عورت کی کمائی کس گری ہوئی حد تک کھانے تیار ہو جائیں گے۔ بقول حضرت اقبال۔

آنکھ جو دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں ؎ محو حیرت ہو کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

سولہویں صدی عیسوی سے مسلمان خواتین کا ایک تاریخی چار سو سالہ جائزہ

مسلمان قوم کی قوت کا راز ابتداً ایمانی قوت پر تھا۔ حکومت ثروت سلطنت حکمرانی اس کے ادنیٰ کنیزیں بن کے اس کے قدموں پر نثار ہو رہے تھے۔ غلامانِ محمد ﷺ کی ایمان کی حرارت نے دنیا کو زندگی بخشی تھی، گویا حکومت تو مومن کی ایمانی طاقت کا ایک حصہ اور چمکتا ہوا ستارہ بن کر زمانہ کو روشنی بخش رہا تھا اور فلک علامہ اقبال کی زبان میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اے مومن۔

زندہ رکھتی ہے زمانہ کو حرارت تیری ؎ کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری

ایمانی قوت بعد از زوال حکومت کی قوت

جب ایمانی قوت کا انحطاط ہوا تو مسلمان حکومت کی قوت پر زندہ رہا پھر ایک وقت آیا کہ مسلمان کو نہ ایمان کی قوت سے سروکار رہا اور نہ حکومت کی قوت اس کے ہاتھ میں رہی، نہ قوت ارادی باقی رہی۔ اب بقول علامہ اس کا یہ حال ہوگیا کہ ؎

ع "اسکی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے" — کے مصداق بن کر رہ گیا۔ اب ہم سولہویں صدی سے خواتین کی ایک جھلک تاریخ کے آئینہ میں دیکھے گئے جب کہ مسلمانوں نے ایمانی قوت کے بجائے حکومت کی قوت پر زندہ رہنا شروع کیا اور آپس میں اقدار کی ہوس میں خود لڑ پڑے تو اس دور میں بھی کبھی ایمانی قوت و قوت ارادی کی جھلک عورت میں نظر آتی ہے۔ جب کہ مرد زوال پذیر اور کمزور ہو چکے، لیکن خواتین نے اپنی بہادری کی آخری جھلکیاں دکھائی ہیں اور ہمایوں کا بلند کردار ذیل کے واقعہ میں سامنے آتا ہے۔

شہنشاہ ہند ابراہیم لودھی کی ماں کا ایمانی جوش و نفس امارہ ۱۵۲۶ء

بابر کو ہندستان فتح کرنے کی دھن ہے ہندستان پر چار مرتبہ حملہ آور ہوتا ہے اور شکست کھاکھا کر واپس ہوتا ہے لیکن اسے ہمت مرداں مدد خدا کے مقولے پر یقین کامل ہے اس کا ایقان ہے کہ ؎

مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانہ کا گلہ ؎ بندہ حر کے لئے نشتر تقدیر ہے زش (علامہ اقبال)

۱۵۲۶ء میں بابر پانچویں بار پانی پت کے میدان میں یہ کہتے ہوئے خیمہ زن ہے کہ ؎

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے ؎ بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت تاج (علامہ اقبال)

یہ واضح رہے کہ یہ ہندستان کی زرخرید زمین پر حکمرانی کی ہوس ہے یہ کوئی مذہبی جنگ نہیں۔ پانی پت کے میدان کی یہ فیصلہ کن جنگ ہے، میدانِ کارزار گرم ہے گھمسان کا رن ہے ابراہیم لودھی کی فوج کے حوصلے اپنی کثرت کی وجہہ سے بلند ہیں مگر بابر پر فتح کا جنون سوار ہے مختصر یہ کہ (۸۰) اسی ہزار یا ایک لاکھ لودھی فوج کی قوت کی کمر بارہ تا سولہ ہزار بابری فوج نے توڑ کر رکھ دی۔ ہزارہا لودھی لشکر کو موت کے آغوش میں سلادیا اور پھر غضب یہ ہوا کہ ابراہیم لودھی خود میدان کارزار میں کام آیا۔ اب لودھی لشکر کس کی قیادت میں لڑتا آخر

ا ہوا۔ اب میدان بابر کے ہاتھ میں ہے وہ ہندستان کا تاجدار ہے بابر اپنے فرزند اکبر
ہمایوں کو طلب کرتا ہے۔ اور اسے ابراہیم لودھی کے قلعہ آگرہ کو اپنے قبضہ میں لینے
ے بے شمار دولت ہیرے جواہرات جو اس نے بڑی سنگدلی سے کمائے تھے حاصل
تہ مغلیہ میں داخل کرنے کا حکم دیتا اور خود فوج کا ایک حصہ لے کر دہلی چلا جاتا ہے۔
یہاں بابری فوج سینہ تانے برہنہ شمشیروں کو فضا میں لہراتے اُن کی چمک سے عکوموں
ے کو خیرہ کرتے شہزادے ہمایوں کی سرکردگی میں قلعہ کے اندر فتح کے نقارے بجاتے داخل
ے وہیں قلعہ کے اندر لوگوں کی زبان پر ہے "یہ چنگیز خان کا نواسہ امیر تیمور کا پوتا
ہے جس کے نانا اور دادا نے ہمیشہ خون کی ہولی کھیلی اور انسانی خون سے اپنے ہوس
بجھائی ہے۔ ابراہیم لودھی کی ماں کی بوڑھی سن رسیدہ زمانہ شناس بوڑھی نظریں
کی بے حسی دیکھ رہی ہیں کہ جوانوں کے جسم کپکپا رہے ہیں۔ ان مضبوط جسموں
بسوط اور جوان دل کے دھڑکنے کی صداؤں نے بابری فتح کے نقاروں کی صداؤں کو
ت کر دیا ہے۔ وہ نوجوان جسم جن کو اس بوڑھے جسم کا سہارا بننا چاہیئے تھا
ھے جسم کو گھیرے گویا اس کپکپاتے ضعیف جسم سے کہہ رہے ہیں کہ اب ہمیں آپ
ا را ہے یعنی پہاڑ تنکے کا سہارا چاہتے ہیں۔ ایک ضعیف عورت کا حوصلہ لائق ملاحظہ ہے۔
کپکپاتی ضعیفہ یہ سماں دیکھ کر اور کپکپا جاتی ہے لیکن وہ ایک جھٹکہ سے کھڑی
ہے اور ہاتھ اٹھا کر پکارتی ہے۔ " میرے بچو! نہ گھبراؤ، خدا ہمارے ساتھ ہے
ساتھ آؤ میرے ساتھ چلو، اب ایک بوڑھیا میں غضب کی قوت آگئی ہے۔ شہنشاہ
ے آج اپنا سر جھکائے سر پہ چادر ڈالے اپنے قافلہ کی سپہ سالاری کرتی شہزادہ
استقبال کو بڑھ رہی ہے۔ اب اس ضعیفہ میں خوف نہیں ایک بربادی ہے
انت ہے دشمن کی قوت سے ٹکرانے کے انداز اس کی سمجھ میں آچکے ہیں۔ اس
ے خواجہ سرا ہیں اور پیچھے پورا قلعہ کا قافلہ۔ وہ ضعیفہ بڑھتے ہوئے شہزادہ
راستہ روک لیتی اور ہاتھ اٹھا کر مادرانہ انداز سے پکارتی ہے۔ " اے میرے
یری آنکھوں کے نور! خدا تجھے کامیابی مبارک کرے لیکن اے میرے کمسن فرزند!
، بوڑھی آنکھوں نے زمانے کے بہت نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ بلندیاں بھی دیکھی
پستیاں بھی ——— آج اس جہاندیدہ ضعیفہ کی ایک نصیحت یاد رکھ۔

فاتح تو وہی ہے جس کا سر بعد فتح اٹھتا نہیں بلکہ بارگاہِ الٰہی میں بہ انداز شکرانہ خم ہو جاتا ہے اس کے جنگ کے وقت کا جوش اور انتقام کا جذبہ فاتح بننے کے بعد اپنے رحیم و کریم پروردگار کے رحم و کرم کے جذبہ سے استفادہ کرتا ہے وہ محکوم پر ظلم کرنے والے پر قہار بن جاتا ہے۔ بیٹا! اس دنیا کا مالک حقیقی اور حقیقی بادشاہ تو اللہ پاک ہی کی ذات ہے ہم عارضی حکمران ہیں جس کو چاہا اس نے عارضی مالک بنا دیا۔ اے فرزند

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود ؎ میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا (اقبالؔ)

ہمیں اپنے حقیقی مالک کا وجود بھی تسلیم ہے اور اس کا یہ فیصلہ بھی منظور ہے۔ اے میرے لال اپنی فوج کو حکم دیدو کہ اب ان کی برہنہ تلواریں نیام میں چلی جائیں ان کی چمک سے وہ محکوموں کو خوفزدہ نہ کریں ان کے سر اور سینے تنے نہ رہیں بلکہ شکر خداوندی میں جھک جائیں اب فاتح اپنے آپ کو فاتح نہ سمجھیں بلکہ محکوموں کے محافظ بن جائیں اور خوفزدہ کو اپنے سینہ سے لگا لیں۔ اب ایک قلب سلیم رکھنے والا فاتح شہزادہ ہمایوں ایک ضعیفہ کے سامنے لرز گیا۔ اس پر خوف خدا طاری ہو چکا تھا۔ اس کے آنکھوں میں خوفِ الٰہی سے آنسو ڈبڈبا آئے اس نے فوری اپنا سر بارگاہ ایزدی میں اسی وقت خم کر دیا پھر سر اٹھائے اپنی فوج کو پلٹ کر دیکھا۔ فوج نے شہزادہ کی نگاہوں کا مطلب بھانپ لیا ان کی فضا میں لہراتی تلواریں خود بخود نیچے آگئیں پھر بھی شہزادے کی آواز فضا میں گونجی "بہادرو! تلواریں نیام میں ڈال لو۔ خبردار کسی بے گناہ کا خون نہ بہے کسی کی عزت و آبرو اور ناموس کو دھکا نہ لگے۔ کوئی ایسی حرکت نہ ہو کہ ہم داورِ محشر کے سامنے روز قیامت مجرم بنے کھڑے رہیں۔ بہادرو! اس ضعیف سالخوردہ ماں کی نصیحت سنو اور سراپا رحیم اور ان کے محافظ بن جاؤ۔ اس لائق احترام ماں کو معہ تمام ہمراہیوں کے باعزت طریقہ سے حرم سرا پہنچا دو۔ علامہ اقبالؔ ہمایوں کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

اے ہمایوں زندگی تری سراپا سوز تھی ؎ تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی
گرچہ ترا تن خاکی نشر او دردمند ؎ تھی ستارے کی طرح روشن تری طبع بلند
کس قدر بیباک دل اس ناتواں پیکر میں تھا ؎ شعلۂ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

اٹھارہ سالہ نوجوان شہزادہ ہمایوں پر اس قدر خوفِ خدا دیکھ کر درحقیقت ضعیفہ کانپ گئی اس کے آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔ یہ خوف و ہراس رنج و ملال کے آنسو نہ تھے

بلکہ نوجوان شہزادے پر خوف خدا دیکھ کر اس ضعیفہ کی حالت بھی غیر ہو چکی تھی بحکم شہزادہ چند سردار سر جھکائے ضعیفہ کے سامنے بصد احترام کھڑے ہیں کہ باعزت واحترام اسے حرم سرا لے جائیں۔ ضعیفہ ان سے مخاطب ہوکر کہتی ہے" نہیں ذرا ٹھہرو ــــــ میں میرے محسن اس لال کو جس میں مجھے خدا کے خوف سے لبریز قلب نظر آتا ہے ایک تحفہ دے سکوں"۔ ضعیفہ کے کپکپاتے ہاتھ چادر میں جاتے ہیں اور ایک صندل کی ڈبیہ نکالتی ہے۔ اور اس میں سے ایک الماس بیش بہا نکال کر شہزادے کو دیتے ہوئے کہتی ہے یہ وہ الماس ہے جس نے بکرما جیت کے زمانے سے ہندستان کو روشن کر رکھا ہے پھر علاؤالدین خلجی کے قبضہ میں آیا۔ تین پشت سے ہم نے اس کی حفاظت کی۔ اب اے نورِ نظر! ــــــ اس کی حفاظت کا حق ہم کو نہیں تم کو ہے۔

شہزادہ بصد ادب تحفہ قبول کر لیتا ہے۔ ہمایوں کی سفارش سے متاثر ہوکر بابر ابراہیم لودھی کی ماں کو سات لاکھ ٹنکہ کی جاگیر عطا کرتا ہے اور آگرہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک عالیشان محل ابراہیم لودھی کی ماں اور اس کے تمام اہلِ خاندان کے لئے معہ شاہانہ کروفر، نوکر چاکر کے ساتھ عطا کیا جاتا ہے۔

نفس امارہ کا غلبہ

ابراہیم لودھی کی ضعیف ماں معہ اپنے بہوؤں پوتوں اور تمام اہلِ خاندانوں کے ساتھ نہایت ہی باعزت شاہانہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ شہزادے کو خوف خدا کی راہ دکھلانے اور قدرت کے فیصلے کو قبول کرنے کا اعلان کرنے والی جہاں دیدہ ضعیفہ انتقام کی آگ میں جل کر نفس امارہ کا شکار ہو گئی بقول علامہ اقبال۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر ؎ کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو ؎ آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور ؎ محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات

اب ضعیفہ اپنے پوتے کو تخت پر لانے کے خواب دیکھنے لگی۔ ہمایوں کی سفارش کی بنا پر دیئے ہوئے اعزازات سے فائدہ اٹھا کر اس نے شہنشاہ بابر کے شاہی باورچیوں کو اپنے جال میں پھنسانے میں کامیابی حاصل کی اور بابر کو زہر دلوا دیا ــــــ بابر تو چند روز کی علالت کے بعد تندرست ہو گیا مگر راز منظر عام پر آ گیا۔ ضعیفہ اسیر تھی اور عبدالرحیم

رانی میں زندگی کے آخری دن ذلت سے تکمیل کرنے پر مجبور ہے۔ تمام اعزازات سے محروم۔
، کا منظورِ نظر ہوتا بحکم بابر ہندستان کے باہر کابل بابر کے بیٹے مرزا کامران کے پاس روانہ
گیا جس نے اپنی آخری سانس آخر حوالے زنداں کی۔

یہ مسلمانوں کا دور مذہب سے دوری آپس کے ٹکراؤ کی غمازی کرتا ہے وہیں عورت
طرت کی بھی عکاسی کرتا ہے کہ عورت جب ارادے کر بیٹھتی ہے تو کیا کیا کر جاتی ہے
سں کی قوتِ ایمانی اور قوت ارادی کا اور خیر و شر میں کیا مقام ہوتا ہے۔

قوت ارادی اور حکومت کی قوت پر خواتین کی بہادری

ایمانی قوت پر اظہار بہادری کے واقعات اسکے بعد کی جلد میں آئینگے۔ زوال کے آغاز پر یعنی سولھویں
کے ختم کے قریب مسلم خواتین نے دکن میں بہادری کی جھلکیاں دکھائیں اس کے دو واقعات بیان
تے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ بھی آخر معدوم ہوگئیں۔ ایمانی قوت کا خاتمہ تو قبل ازیں ہو چکا تھا
ت کی بنا پر یا قوتِ ارادی کی بنا پر بھی بہادری و کردار کا بھی خاتمہ ہو کر رہ گیا عشقِ الٰہی و عشق
کی گرمی سے قلب بے سوز تھے ہی۔ تین سو سال سے ہند میں بقول علامہ اقبال ایک ویرانی
ل مسلمان قوم پر چھا گیا۔ ترقی پر ذات کے سب دروازے بند ہوگئے۔ علامہ اقبال بڑے درد سے
ب سے دعا فرماتے ہیں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند　　اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!
لا پھر ایک بار وہی بادہ جام اے ساقی　　ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی!
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی　　رہ گئے صوفی و مُلا کے غلام اے ساقی!
عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے؟　　علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!
سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات　　ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی!
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ　　ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

سلطنت احمد نگر کی ایک بہادر عورت

سلطنت بہمنیہ جو بر بنائے انصاف و عدل اپنے شباب پر آچکی تھی اس سلطنت
نے گیارھویں اور تیرھویں بادشاہ ہمایوں شاہ ظالم اور اس کے بیٹے محمد شاہ سوم کے مظالم سے پانچ ٹکروں
میں منقسم ہوگئی اس میں کی ایک نظام شاہی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت احمد نگر تھا۔ اورنگ آباد کا پورا علاقہ

جالنہ، ناسک، تا گلانا اور ضلع کایاں سب اس کے حدود اربعہ میں تھے۔ اب مسلمانوں کے زوال کا وہ دور شروع ہو چکا تھا جب کہ عروج و زوال گلے مل رہے تھے۔ مسلمان آپس میں ہمیشہ دست بہ گریباں اور مصروف جنگ تھے حسین نظام شاہ اول کے بعد دیگر تمام بادشاہ جنونی اور کمزور اور ہمسایہ سے لڑنے میں مصروف اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کرنے میں منہمک رہے۔ نوبت یہاں تک آپہونچی کہ مبخو میاں نے آپس کے اختلافات کی بناء پر سلطنت مغلیہ کو اپنی ہی سلطنت پر دعوت حملہ دے دی۔

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۶ء) کو مغلوں نے قلعہ احمد نگر پر سخت جان لیوا حملہ کر دیا اور قلعہ احمد نگر کی دیوار میں نقب لگا کر ایک بڑا سوراخ بغرض داخلہ کر ڈالا۔ نظام شاہی فوج کے قدم ڈگمگا گئے۔ جوں ہی حسین نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی کو اس نقب کی اطلاع ہوئی وہ بجلی کی سی تیزی سے ابھی بارود کا دھواں فضاء سے صاف ہونے بھی نہ پایا تھا کہ منہ پر نقاب ڈالے سپاہیانہ لباس پہنے گھوڑے پر سوار ہاتھ میں شمشیر لئے فولاد کی چٹان بن کر ڈٹ گئی۔ چاند سلطانہ کی بجلی کی سی تیزی پھرتی آہنی عزم نے نظام شاہی فوج میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ مغلوں نے بھی داخلہ کے لئے اپنی قوت لگا دی مگر نظام شاہی فوج جس کی قیادت چاند بی بی کر رہی تھی مغلوں کی ایک بھی نہ چلی ایک طرف مغلوں کی ہمتوں پر تاریکی چھا رہی تھی تو دوسری طرف آفتاب نے غروب ہو کر انہیں تاریکی سے ہمکنار کر دیا۔ مغل تھکے تھکائے اپنے خیموں کو لوٹ گئے اب صبح کا انتظار تھا جب خاور مشرق نے سوتی دنیا کو جگایا تو مغل بھی جل گئے اور حیرت کی انتہا نہ رہی کہ راتوں رات نقب کا اس قدر بڑا سوراخ چاند بی بی کی قیادت میں نظام شاہی فوج نے بند کر دیا ہے۔ اس ہمت کے سامنے اس وقت مغلوں کو صلح کے سوا چارہ نہ رہا دنیا نے دیکھ لیا کہ ہمت مرداں نے نہیں بلکہ ہمت زن نے مغلوں کی فوج کو نیچا دکھایا تھا۔

سلطنت احمد نگر (دکن) کی دوسری بہادر و مدبر مسلم عورت اہلیہ حمید خاں

احمد نگر کی سلطنت کے ایک شاہی خون کو اپنے رگوں میں رکھنے والی خاتون چاند بی بی کا حال بیان کیا گیا۔ اب اسی خاندان نظام شاہیہ کے ایک حبشی غلام حمید خاں کی اہلیہ کا واقعہ حیرت انگیز بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ خاندان نظام شاہیہ کے بادشاہ نااہل، نکمے اور مجنوں نما انسان تھے۔ احمد نگر کے بادشاہ برہان نظام شاہ ثالث کا عہد ۱۵۹۶ء تا ۱۶۰۳ء ہے جب کہ ملک عنبر مر چکا تھا اس کے غلام حمید خان حبشی کو امور سلطنت میں بہت ہی اثر و رسوخ ہو گیا تھا اس کی زوجہ اس زمانے میں قلعہ احمد نگر کی روح رواں تھی گویا بیرون قلعہ حمید خان کا حکم چلتا تھا۔ تو قلعہ میں اس کی ہوی کا راج تھا۔

سلطنت احمد نگر کے نااہل بادشاہ برہان نظام شاہ کی کمزوریاں دیکھ کر ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور نے چڑھائی کر دی۔ کمزور بادشاہ مقابلہ کے بارے میں سوچ ہی میں مصروف ہے کہ اس کے غلام حمید خان کی اہلیہ شاہ کے سامنے آکھڑی ہوئی اور معروضہ کیا کہ فوج کی سرداری و سپہ سالاری مجھے عنایت فرمائی جائے میں خود میدان جنگ میں جاکر لڑونگی اور فوج کی قیادت کرونگی اگر فتح ہو جائے تو برسوں تک یہ چرچا رہے گا کہ احمد نگر کے مردوں کا کیا ٹھکانہ احمد نگر کی عورتیں بھی دشمنوں کا منہ توڑ جواب دینے کی اہل ہیں۔ اگر شکست ہو جائے تو یہ بات بہتر ہو گی کہ آپ میدان جنگ میں جائیں اور شکست کھا کر واپس ہوں۔ آپ کیلئے مقابلہ کا ایک اور موقف باقی رہے گا۔ نااہل کمزور بادشاہ کی کمزوری ملاحظہ ہو کہ اس نے اس عورت کو افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا اور خود محل میں بیٹھ رہا۔

ایک عورت فوج کی کمانڈ کرتی ہے

یہ اس بلا کی عورت تھی کہ لباس مردانہ و سپہ سالارانہ زیب تن کئے فوج کی کمانڈ کرتی اور ہمت دلاتی فوج کی حمیت و غیرت پر اپنے پُر اثر تقاریر سے تازیانے لگاتی ابراہیم عادل شاہ کی فوج پر جو بلاشبہ نظام شاہی فوج سے ہر لحاظ سے بالاتر و برتر تھی جا گری۔ ابراہیم عادل شاہ کی فوجی برتری مسلمہ تھی ان کے حوصلے بلند تھے اور جب سنا کہ ایک عورت نظام شاہی فوج کی سپہ سالار ہے تو حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ اور وہ اس فوج کو ایک نوالہ تر سمجھ بیٹھے لیکن اہلیہ حمید خان نے ایسی پھرتی دکھائی اور تقاریر سے فوج کے حوصلے بڑھائے اور خون کو گرمایا کہ یہ نوالہ تر عادل شاہی فوج کے حلق میں کانٹا بن کر کھٹکنے لگا۔ قدرت خدا کی کہ یہ عورت نہ صرف کامیاب رہی بلکہ مال غنیمت لوٹ لی سو عادل شاہی فوج کو اسیر کر کے فتح و نصرت کے شادیانے بجاتی مال غنیمت اور اسیروں کے ساتھ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئی بادشاہ محو حیرت بنا صرف یہ کہہ سکا "شاباش"۔ اس خاتون کی ہمت نے جہاں میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھائے تو میدان سیاست میں بھی اس نے اپنے گھوڑے دوڑائے۔ وہ شمالی ہند کے واقعات سے باخبر تھی اسکو صلابت خان کا جہانگیر کو حراست میں رکھنا اور قید سے جہانگیر کا آزاد ہو کر فوت کر جانا خرم کی بغاوت اور اس کا دکن میں خاک چھاننے کا علم تھا۔ تاریخ سلاطین احمد نگر "دربار آصف صفحہ ۱۶۰" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاتون نے عادل شاہی فوج سے کامیابی کے بعد دوسرا نمایاں کام یہ کیا کہ جہانگیر کی جانب سے مقرر کردہ صوبہ دار دکن خانخاناں پر اپنے سیاسی داؤ چلائے اور اس طرح درغلایا دم دلاسہ دیا کہ وہ چکروں میں آگیا چار پانچ لاکھ ہون اور تین لاکھ کے جواہر اس کے حوالے کر کے وہ سب علاقے نظام شاہی حکومت کے واپس لے لئے جو اکبر کے زمانے سے اس وقت تک مدتوں کی جانفشانی کے ساتھ حاصل کئے گئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاہجہاں برسر اقتدار آیا تو اس کی ایک ہی دھمکی پر برہان نظام شاہ ثالث جیسے کمزور نے سب علاقے واپس کر دے مگر اس عورت کی ہوشیاری چالاکی دیکھ کر شاہجہاں بھی ششدر رہ گیا۔

یہ تھے اس وقت کے خواتین کے حوصلے جب کہ مرد ہمت ہار چکے اور عروج و زوال باہم گلے مل رہے تھے مگر عورتوں کی ہمت کس قدر جواں اور حوصلے کس قدر عالم شباب پر تھے پھر ایسا اس قوم کا حال ہو گیا کہ ؎

تغیر آ گیا ایسا تدبر میں تخیل میں ⁂ ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی

اسلئے علامہ دعا فرماتے ہیں ؎ تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند ⁂ اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!

عہد زوال کی ایک عورت

حیات بخش بیگم دختر قلی قطب شاہ بانی حیدرآباد

وہ ایک حکمراں کی دختر نیک اختر آنکھوں کی روشنی و ٹھنڈک اور آنکھوں کا تارا تھی تو دوسرے تاجدار سلطنت کے قلب پر حکومت کرنے والی ملکہ سلطنت اور تیسری جانب ایک بادشاہ کی جنت اس کے قدموں سے وابستہ تھی یعنی ایک بادشاہ کی بیٹی ایک بادشاہ کی بیوی اور ایک بادشاہ کی ماں ــ نام حیات بخش بیگم پایا تھا۔ جس نے قطب شاہی حکومت کو جبکہ وہ دم توڑنے کے قریب تھی کئی بار اپنے تدبر اور دانشمندی سے حیات نو بخشی ۔ یہ قلی قطب شاہ بانی حیدرآباد کی اکلوتی بیٹی تھی جو اولاد نرینہ نہ رکھتا تھا - اس نے اس کی شادی اپنے بھائی محمد امین کے بیٹے محمد کو اپنے پاس رکھ کر اور شاہانہ تعلیم و تربیت دلا کر بڑی دھوم دھام سے کی جو محمد قطب شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا ۔ حکومت گولکنڈہ کی بڑی بدنصیبی تھی کہ محمد قطب شاہ کا نہایت ہی کم عمری یعنی (۳۴) سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ حیات بخش بیگم عین عالم شباب میں بیوہ اور سلطنت قطب شاہی مائل بہ زوال ہو گئی اور اس کا کمسن بارہ سالہ لڑکا عبداللہ قطب شاہ تخت نشین ہوا۔

حیات بخشی بیگم کے سیاسی کارنامے اور کردار کی بلندیاں

کمسن بیٹے عبداللہ قطب شاہ کی وجہ سے امور سلطنت پر حیات بخش بیگم کی گہری نظر تھی۔ عبداللہ قطب شاہ کے جوان ہونے کے بعد اس نے اپنے آپ کو عملی سیاست سے ایک گونہ علٰحدہ کر لیا لیکن جب کبھی سلطنت پر برا وقت آیا تو آگے بڑھی اور دلیرانہ طور پر سینہ سپر ہو گئی چنانچہ جب اورنگ زیب نے قلعہ گولکنڈہ پر حملہ کیا اور عبداللہ قطب شاہ کے حواس باختہ ہو گئے تو اس ضعیف ماں نے اورنگ زیب کے سامنے دست بستہ حاضر ہو کر شرائط صلح نامہ طے کرائے اور سلطنت کو موت کے پنجہ سے چھٹکارا دلایا۔ مغل مورخین نے بھی اس کے کارناموں کی بڑی تعریف کی ہے۔ حدیقۃ السلاطین کے مورخ نظام الدین الساعدی بھی اس کی صلاحیت اور کارناموں کے بارے میں رطب اللسان ہے ماثر نامہ کا مصنف اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ " وہ ایک عورت غضبناک تیز ہوش و رسا بود" اس کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سیاست میں ماہر اور امور سلطنت کو انجام دینے میں کافی ماہر تھی بیرونی

سیاحوں نے بھی اسکی صلاحیتوں کا اقبال و اعتراف کیا ہے کہ " وہ سلطنت کے ہر شعبہ پر عبور رکھتی ہے اور گولکنڈہ کے معاشرتی نظام کو سنوارتی رہی ہے۔" جہاں جوانی میں بیوہ ہونا اس کی بدنصیبی پر دلالت کرتا ہے وہیں یہ چیز قابلِ فخر ہے کہ اس نے اپنی جوانی کے ایام بھی قدر پاک دامنی اور عفت کے ساتھ گزارے کہ بعض مورخین اس کو رابعة الدرانی کہنے پر مجبور ہو گئے بہرحال حیات بخش بیگم کی پاک ذاتی الوالعزمی تدبر امور سلطنت سے واقفیت و عبور و عزم و استدلال پر اثر شخصیت ارادوں کی پختگی سے گریز و انکار کرنا شاید ہی کسی سے ممکن ہو۔

کاش وہ بحیثیت ماں فرائض منصبی سمجھتی

عورت کا قابل تعریف کردار اولاد کی حسن خوبی سے تربیت ہوتا ہے تربیت کا جہاں تک سوال ہے حیات بخش بیگم اپنے بیٹے عبداللہ قطب شاہ کے لئے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ایک سخت گیر اور فرائض شناس ماں نہ بن سکی بلکہ اس کے چاؤ اور چونچلوں نے عبداللہ قطب شاہ کو کمزور بادشاہ ثابت کر دیا۔ شاہی تخت ایک پھولوں کی سیج یا نرم نرم شاہی گدی ہی نہیں بلکہ دراصل وہ ایک کانٹوں کی گدی ہوتی ہے اور شاہی دور ہموار راہ نہیں بلکہ ایک چٹیل اور خاردار راہ بھی ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

میں تجھ کو بتلاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے ؎ شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

حرف عیش و عشرت تفریح شکار آرام طلبی حسن پرستی راگ و رنگ تان و سر میں گم ہو جانے کا نام بادشاہت نہیں بلکہ تباہی اور زوال کو دعوت دینے کا نام ہے۔ افسوس عبداللہ قطب شاہ ماں کے ناز و پیار کی وجہ سے ان خوبیوں کا مالک نہ بن سکا اور نہ صاحب عزم بادشاہ جو ایک آزاد مملکت کے بادشاہ کیلئے ضروری ہوتی ہیں وہ اس دور کے لئے قطعی موزوں نہ ہو سکا جبکہ مغلیہ سلطنت کے خونخوار حملہ آور شاہجہاں اور اورنگ زیب کے روپ لئے دھاڑیں مارتے سلطنت گولکنڈہ پر جھپٹ رہے تھے قطب شاہیہ ان کے تیز پنجوں سے بار بار زخمی ہو رہی تھی اس میں شک نہیں کہ حیات بخش بیگم کئی بار بہ راستہ میں حائل ہو کر سلطنت قطب شاہیہ کی زندگی بچانے میں معین و مددگار ثابت ہوتی رہی مگر اس سے ہوتا ہی رہا کہ گولکنڈہ کی حکومت کو وقتیہ سسکتی زندگی ملتی رہی حیات بخش بیگم کا بہ ذات خود مدبر ہونا اسی وقت قابل تعریف و تحسین ہوتا جبکہ اس نے اپنے بیٹے کو ذریعہ تربیت مدبّر اور شیر دل بنایا ہوتا بحیثیت ماں بس تربیت کا یہی وہ سب سے بڑا ناقابلِ معافی پہلو ہے جو قوم کو مائل بہ زوال کر دیتا ہے۔ عبداللہ قطب شاہ جو ۹ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اٹھارہ سال کی عمر تک ماں کے زیر سایہ عیش پرستیوں میں گزارے مگر افسوس تو اس امر کا ہے کہ ایک مدبر سمجھدار صاحب صلاحیت عورت اپنے فرائض مادری سمجھنے اور ادا کرنے میں قاصر رہی۔ بس یہی وجوہات ہیں کہ سلطنت قطب شاہیہ کے جو علامات معاہدات عبداللہ

قطب شاہ نے شاہ جہاں سے کئے وہ ہرگز نہ کئے ہوتے جس نے سلطنت گولکنڈہ کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ دوسری جانب مغل بیجاپور کی سلطنت پر بھی حملہ آور ہوئے لیکن وہ اس قدر اس کو ذلیل کرسکے اور نہ اس طرح ذریعہ معاہدہ جات غلام بنا سکے۔

عبداللہ قطب شاہ عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور حیات بخشی بیگم اپنے بیٹے کی موئے تراشی کی رسم منانے اور عیش و نشاط کی محفلیں بپا کرنے میں مصروف تھی شاہی خاندان سے لے کر امراء و اکابر سلطنت فوج سب عیش و نشاط کی محفلوں میں گم تھے گویا یہ اس بات کا اعلان تھا کہ بادشاہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوچکی ہے اور وہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا اہل ہوچکا ہے یہ خبریں عیش و عشرت و بے خودی و بے خبری کی جب شہنشاہ شاہ جہاں تک پہنچیں تو وہ گولکنڈہ پر جھپٹ پڑا۔

عورت ایک کمزور ذات سے مراد نہیں بلکہ قوموں کی قوت کا سرچشمہ ہوتی ہے تاریخ گواہ ہے کہ جن ہستیوں نے بلند بنکر آسمانوں کے تارے توڑے ہیں وہ عظیم اس لئے تھے کہ ان کی ماؤں نے عظیم بن کر ان کو عظیم بنایا تھا۔ نپولین کو نپولین، سکندر کو سکندر اعظم بنانے حتیٰ کہ شیواجی کو ایک بے خوف دلیر سپاہی بنانے میں ان کی ماؤں کا ہاتھ رہا ہے۔ اور اسلام کی بیٹیوں نے توسپوتوں کو فلک سے ٹکرانے حالات سے لڑنے اور کامیابیوں کو مجبور کر کے اپنے قدموں پر گرانے کی تعلیم دی تھی جب سے مسلمان ماؤں نے اپنا یہ فرض منصبی کو فراموش کر دیا۔ قوم مائل بہ زوال ہوگئی اور آہنی انسانوں سے محروم۔ علامہ اقبال قوم کی ماؤں سے فرماتے ہیں نہ عشق خدا ہے نہ حب رسول نہ عشق قوم ہے۔ نہ حب ملت اے قوم کی ماؤں خدا کیلئے تم پہلے کی سی مائیں بن جاؤ۔ دیکھو اب قوم کی حالت

بجھی عشق کی آگ اندھیرا ہے ؎ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

پھر علامہ اقبال رح دعا کرتے ہیں :-

شراب کہن پھر پلا ساقیا ؎ وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا ؎ میری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر ؎ جوانوں کو پیروں کا استاد کر
ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے ؎ نفس اس بدن میں تیرے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے ؎ دلِ مرتضیٰ سوز صدیق رض دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر ؎ تمنا کو سینوں میں بیدار کر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے ؎ میرا عشق میری نظر بخش دے

کاش ہماری مائیں اسلام کی بیٹیاں علامہ اقبالؔ کی آواز سنیں سمجھیں اور مندرجہ بالا انداز سے اپنی اولاد کی تربیت کریں تب ہی قوم زوال کے غار سے نکل کر ترقیوں کے آسمانوں پہ پرواز کر سکتی ہے۔ جو عورت جب تک اپنی اولاد کی صحیح تربیت کا حق ادا نہ کرے نہ وہ اپنی پیدائش کے مقصد کی تکمیل کر سکتی ہے اور نہ اولاد کو جنم دینے کے مقصد کی تکمیل سے عہدہ براں ہو سکتی ہے۔ ہم آئندہ جلد میں ان ماؤں کا ذکر کرینگے جن کی وجہہ سے ان کی اولاد حسنِ تربیت پاکر آسمان رفعت کا چمکتا تارہ بن گئی۔ عورت کا اولاد کی تربیت حسنہ سے غفلت برتنا ایک ناقابل معافی جرم ہے چونکہ وہ قوم کی امین ہونے کے ناطے بلاشبہ قوم کے ساتھ خیانت مجرمانہ کر رہی ہے اور قوم کو مایہ ناز فرزند فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی بیٹیوں نے بطور خاص یہ کارنامہ انجام دے کر قوم کو بامِ رفعت تک پہنچایا تھا۔ جس قوم میں مائیں اور علماء اپنے صحیح مقامات سے آگاہ اور صحیح مقامات پر فائز ہوتے ہیں وہ قوم بامِ رفعت پر ہوتی ہے تاریخ اسلام اس امر کی شہادت دے رہی ہیکہ مسلمان قوم کی ترقی کا راز فرض شناس مائیں اور پھر حق شناس علماء تھے جنہوں نے قوم کو ثریا کی چوٹی پر بیٹھا دیا تھا یا یوں کہو کہ ثریا کی چوٹی کی بلندی کو بھی شرما دیا تھا۔

مہ لقا بائی چندا ۱۱۸۱ھ ۱۷۶۷ء تا ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء

قوم کا زوال شاہان آصفجاہی و سلطان ٹیپو شہید

جب قوم پر جسمانی و ذہنی غلامی کے دور آتے ہیں تو زندگی کے ہر شعبہ میں سوچنے کے زاویئے بدل جاتے اور نقل سوچنے کے انداز بدل دیتی ہے۔ قلب کی چشم بینا کور اور اندھی ہو جاتی ہے چشم ظاہر کو بھی ہر برا انداز اچھا اور اچھا انداز برا نظر آنے لگتا ہے۔ ضمیر مردہ اور فطرت جو غلامی کی خو کو اپنا لیتی ہے کاہل آرام طلب عیش و عشرت اور عیاشی کی طرف مائل ہو جاتی ہے بہادری و شجاعت کا اس تاریک بھیانک فضا اور عفونت و بدبو کے ماحول میں دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اپنا مقام وہاں نہ پاکر اس بدبخت قوم کو بزدلی کے غار میں ڈھکیل کر رخصت ہو جاتی ہے ان حالات میں ایسی قوم کو قدرت دولت و حکومت بطور آزمائش و مہلت اگر قدرت عطا فرماتی ہے تو ایسی حکومت کے دہانہ سے جو دھارا بہتا ہے وہ بھول بھلیوں کی منزلوں سے گزرتا افراط و تفریط کی گھاٹیوں سے بے ہنگام شور مچاتا تباہی کے سمندر میں قوم کو لیا جا گرتا ہے اس لئے علامہ فرماتے ہیں۔

آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور ؎ محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات

آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت ؎ محکوم کا ہر لحظہ مرگ مفاجات

بس مہ لقا بائی چندا کی زندگی اس کا خاندان اور اس وقت کی تہذیب و تمدن سیاسی اور معاشی پس منظر مندرجہ بالا بیان کردہ حقائق اور علامہ اقبالؔ کے مندرجہ بالا اشعار کی گویا تفسیر ہیں۔

خوب و ناخوب

جب مسلمان قوم زندہ تھی تو اس کے پیش نظر بہادروں حریت پسندوں کے کارنامے تھے ایک خوش نصیب دور تھا کہ رسول خدا صلعم کے حالات زندگی پھر صحابہ اکرامؓ کے روشن زندگانیوں بزرگان دین کے بلند کردار رکھنے والے کارناموں سے دلچسپی تھی اور انکی تقلید کا شوق۔ جب قوم غلامی اور غلامانہ ذہن سے دوچار ہوئی تو طوائفین کے حالات سے دلچسپی باعث شرم نہیں بلکہ باعث فخر ہوگئی اور آج ہم فلم ایکٹرس کے حالات سے دلچسپی رکھنے والے تاریک دور سے گذر رہے ہیں گویا بقول حضرت اقبال۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا ؏ کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی ؏ موسیقی و صورت گری و علم نباتات

مہ لقا بائی چندا

مہ لقا بائی چندا کا دور حیات ۱۸۶۷ء م ۱۱۸۱ھ تا ۱۸۲۴ء م ۱۲۴۱ھ پر محیط ہے۔ حالات زندگی میر غلام حسین خاں جوہر نے ایک فارسی تاریخ " ماہ نامہ " میں لکھے ہیں جو کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فارسی میں ہونے اور جامع نہ ہونے کے تصور لئے عوام کے استفادہ کے لئے (ڈاکٹر) محترمہ ثمینہ شوکت ایم اے لکچرار اردو زنانہ کالج عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن ۱۹۵۹ء میں بڑی جانفشانی کے ساتھ مواد مختلف تواریخ اور مستند کتابوں اور ذرائع سے فراہم کر کے اردو زبان میں مہ لقا بائی چندا کے حالات کو شائع فرمایا اور اس پر پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی پرنسپل سکندرآباد ایوننگ کالج نے مقدمہ لکھ کر گویا اس کتاب پر مہر صداقت ثبت فرما دی ہے۔ جہاں ہم اس کتاب کے اقتباسات درج کرینگے صفحہ نمبر

مہ لقا بائی چندا کا خاندان

ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے جب کہ بڑے فخریہ انداز سے اس طوائف کا جس کیلئے شرع محمدیؐ میں سنگسار کی سزا ہے سید گھرانے سے تعلق اور اس کے نانا خواجہ محمد حسین خاں کو قصبہ باربہہ کے ایک معزز سید خاندان کا فرد بتایا جاتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس سید خواجہ محمد حسین خاں کی بیوی چندا بی بی تھی جس کے بطن سے دو لڑکے غلام حسین اور غلام محمد اور تین لڑکیاں (۱) نور بی بی (۲) بولن بی بی (۳) میدہ بی بی تھیں ان تینوں نے بعد میں اپنی اصلیت کو چھپانے اور اپنے پیشہ طوائفی کی مناسبت سے نام بدل لئے۔ نور بی بی۔ بمرج کنور بائی۔ میدہ بی راج کنور بائی اور مہتاب بی بی، مہتاب کنور بائی نام رکھ لئے ان کے اس پیشہ کو اختیار کرنے کا جواز یوں بتلایا گیا ہے کہ ان تینوں کے والد سید زادے خواجہ محمد حسین خان ایک فضول خرچ مصرف بد دیانت انسان تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گجرات میں وہ ملازم سرکار تھے تو سرکاری رقم کو مجرمانہ طور پر تصرف میں لالیا آخر نوبت اینجا رسید کہ پریشان ہوکر گجرات ہی میں بیوی بچوں کو چھوڑ اپنے وطن قصبہ باربہیہ بھاگ گئے اور حکومت گجرات نے اس کے گھر کا سارا سامان نیلام کر دیا گجرات میں ان کے بیوی بچے فاقوں سے

تنگ آکر خاک چھانتے آخر اپنے وطن قصبہ پار پہونچے تو یہی سیدزادے خواجہ محمد حسین نے بیوی بچوں کی کفالت کو اپنا فرض نہ سمجھا۔ علامہ اقبال نے ضرب کلیم میں ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام کے عنوان کے تحت جو اشعار لکھے ہیں۔ اس کا الحاق ان حضرت پر بھی ہوتا نظر آتا ہے کہ ؎

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا ؛ زنّاری برگساں نہ ہوتا
ہیگل کا صدف گہر سے خالی ؛ ہے اس کا طلسم سب خیالی!
محکم کیسے ہو زندگانی ؟ ؛ کس طرح خودی ہو لازمانی ؟
آدم کو ثبات کی طلب ہے ؛ دستورِ حیات کی طلب ہے
دنیا کی عشا ہو جس سے اشراق ؛ مومن کی اذاں ندائے آفاق !
میں اصل کا خاص سومناتی ؛ آبا میرے لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد ؛ میری کفِ خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں ؛ پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
اقبال اگرچہ بے ہنر ہے ؛ اس کی رگ رگ سے باخبر ہے
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز ؛ سن مجھ سے یہ نکتۂ دل افروز
انجامِ خرد ہے بے حضوری ؛ ہے فلسفۂ زندگی سے دوری !
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ؛ ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت !
دیں مسلکِ زندگی کی تقویم ؛ دیں سرِّ محمدؐ و ابراہیمؑ !
دل در سخنِ محمدیؐ بند ؛ اے پورِ علی ز بوعلی چند
چوں دیدۂ راہ بیں نداری ؛ قائد قرشی بہ از بخاری

سید صاحب کی اہل و عیال کی کفالت سے لاپروائی کا نتیجہ یہ بتلایا گیا ہے کہ آخر چند بھگتوں نے گویا ان عورتوں پر رحم کھا کے گذر بسر کا سامان فراہم کیا اور تینوں حسین و خوبصورت لڑکیوں کے حسن کی مناسبت سے انہیں گذر بسر کا ذریعہ رقص و سرود رکھا کر اس انداز سے روزی مہیا کرنے کے افسوسناک راستہ پر ڈال دیا جس کا قبول کرنا یقیناً سیادت کا خون اپنے میں رکھنے کا دعویٰ کرنے والے خاندان کیلئے ایک شرمناک اور ناقابلِ معافی اقدام ہی کہلایا جائے گا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

صرف شوہر کی کفالت سے دستبرداری کی بناء پر پیشہ طوائفی و رقص و سرود کو ذریعہ معاش بنالینے کا جواز ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں ماضی اور حال کی مثالیں ہیں کہ شوہر لاچار غربت اور افلاس کی حالت میں بال بچوں کو چھوڑ کر مرگئے یا ایسی بھی بے شمار مثالیں ہیں کہ بے شرم

مرد زندہ رہ کر بھی اپنے بیوی بچوں کی کفالت سے انجان و بے خبر تھے اور ہیں لیکن اسکے باوجود ان لوگوں نے نہ پیشہ رقص و سرور اختیار کیا نہ پیشہ طوائفی حالانکہ ان میں حسین و قبول صورت عورتیں بھی نظروں میں آتی ہیں۔ ان پاک فطرت خواتین نے محنت مزدوری سلوائی کشیدہ کاری بصورت تعلیم یافتہ ہونے بچیوں کو قرآن پڑھا کر اس کا ہدیہ لے کر زندگی تنگی سے بسر کی اور بعض نے تو زمانہ ماضی میں چکی پیس پیس کر مزدوری پر زندگی بسر کی ہے عیش و عشرت سے دور رہے عزت سے زندہ رہے عزت سے جان دی جو عورتیں بلحاظ طبائع حریص عیش و عشرت کی دلدادہ اور نفس امارہ کے ہاتھوں فروخت ہو جاتی ہیں وہ خواہشات نفس کے تحت رقص و سرور طوائف کا پیشہ کرتیں۔ اور ہر ناجائز کام کر گزرتیں اور نام کسی شخص کا یا مجبوری کا دے کر اپنے کو بری الذمہ کر لیتیں یا زمانہ و تقدیر کا شکوہ کرتی ہیں ـــــ

علامہ حضرت اقبال ایسے انسان نما شیطان سیرت کے بارے میں فرماتے ہیں چاہے وہ عورت ہو کر مرد ہو ؎

ظالم اپنے شعلہ سوزاں کو خود کہتا ہے دود ؏ دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند ؏ تقدیر کے پابند جمادات و نباتات

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے ؏ ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے

عبرت و تنبیہ

یہ امر غیرت ایمانی و احکام خداوندی اور فرمان مصطفوی صلعم کے بالکل مغائر ہے کہ اس عورت کو جس نے پیشہ طوائفی اختیار کیا اور زنا کی مرتکب ہوئی یہ کہا جائے کہ اس کے جسم میں بلحاظ ننہیال سیادت کا خون تھا اور بلحاظ ددھیال بھی اس کا اعلیٰ خاندان تھا۔ اس کے دادا یعنی بسالت خان کے باپ مرزا سلطان نظر کی پندرہ سال کی عمر سے نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد تک قضاء نہ ہوئی تھی اور انہیں رقص و سرود سے بڑی نفرت تھی۔ یہ سب فخریہ انداز مہ لقا بائی چندا کے پیشہ طوائفی اور اس کی ماں کے ارتکاب زنا کے بعد بے اثر و بے معنیٰ اور دلی کے پیٹ میں شیطان کا مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔ جب کہ قرآن نے اعمال کی بنا پر کنعان یعنی حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر فرزند کے بارے میں کہہ دیا کہ "اے نوح! کنعان تمہارے اہل سے نہیں اور رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ کے روز اعلان فرما دیا کہ آج میں نے حسب و نسب کو اپنے قدموں تلے روند دیا آج سے بزرگی کا دارومدار رنگ و خون حسب و نسب پر نہیں بلکہ اعمال پر ہوگا" اس قدر واضح اعلانات کے بعد طوائف کے حالات عبرت کے لئے نہیں بلکہ فخریہ انداز لئے تواریخ اور کتابوں میں لکھنا اور پھر نسب کو رسول پاک صلعم سے ملا دینا جب کہ آپ نے اپنی صاحبزادی اور پھوپی سے فرمایا کہ "اے رسول خداؐ کی بیٹی فاطمہؓ اور رسول خداؐ کی پھوپی صفیہؓ یہیں دنیا میں کچھ کر لو۔ آخرت میں میں تمہارے کام نہ آؤں گا تو مہ لقا بائی چندا کو ایسی نسبت سے اور قارئین کو ایسے کتب کے مطالعہ اور مہ لقا بائی کی زندگی کے حالات سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ بقول علامہ

اقبالؔ۔ ع "یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری" حضرت سعدیؒ اور بڑی بڑی ہستیاں نام محمدؐ لینے اور آپ کی شان بیان کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ہزار بار بشوم دہن زمشک وگلاب ؎ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ترجمہ: ہزار بار اپنا منہ (اور زبان) کو مشک وگلاب سے دھوکر بھی آپ کا نام (محمدؐ) زبان سے کہوں تو کمال بے ادبی ہے کہ آپ کی ذات اعلیٰ اس قدر بلند وبالا تر ہے تو طوائف کا رشتہ آپ کی ذات سے ملانا کیا غضب نہیں ہے اسلام نے رنگ وخون کی بنا پر برائی بخشی ہی نہیں علامہ فرماتے ہیں ؎

قوم تو از رنگ وخون بالا است ؎ قیمت ایک اسودش صد احمر است

فارغ از ارباب دام ز اعمام باش ؎ ہمچو سلمان زادہ اسلام باش

مہ لقا کے حالات خاندان سے قوم کو کوئی سبق ملتا ہے تو بس یہی کہ قوم کے زوال میں عورت کا کیا رول رہتا ہے

میدہ بی بی راجہ کے محل میں بحیثیت خواص

لکھا جاتا ہے کہ دلوالیہ کے حاکم راجہ سالم سنگھ کو جب چندا بی بی کی معصیت کا علم ہوا تو چندا بی بی کی چھوٹی بیٹی میدہ بی بی کے حسن پر فریفتہ ہوکر ان کی خبر گیری کرنے لگا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ لکھا جاتا ہے کہ چندا بی بی نے بھی حالات کا اندازہ کرکے اپنی سیدانی بیٹی میدہ بی بی کو راجہ کے محل میں روانہ کردیا جس سے میدہ بی بی کو ایک لڑکی غیر صحیح النسب ذریعہ زنا مہتاب بی بی تولد ہوئی راجہ سالم کی دوسری بیویوں نے میدہ بی بی اور اس کے خاندان پر جادو کردیا وہ تو اچھی ہوگئی۔ اس کی ماں چندا بی بی اس صدمہ سے کہا جاتا ہے کہ مرگئی گویا قدرت نے اس کو اور مزید گناہ اور قوم کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ بنے رہنے زندہ نہیں رکھا۔

ایک حقیقت منظر عام پر

جب ہم اس نکتہ پر آتے ہیں کہ میدہ بی بی کو اس کی ماں چندا بی بی نے راجہ کے محل میں حالات کا اندازہ کرکے روانہ کردیا تو یہ حقیقت کھل کر منظر عام پر آجاتی ہے کہ تمام خرابی کی ذمہ دار خواجہ محمد حسین کی اہلیہ یہی چندا بی بی تھی کہ ہمیشہ عیش وعشرت وخواہشات کی زندگی کی طرف مائل تھی اور ان ہی وجوہ نے خواجہ حسین کو مجرمانہ طور پر سرکاری رقم کے تصرف کیلئے مجبور کیا ہوگا اور عالم پریشانی میں وہ اپنی بیوی کے شاہی فرمائشوں اور فضول خرچیوں سے پریشان ہوکر گجرات سے وطن بھاگ گئے اور بیوی کی افتاد طبع اور اپنی تباہی اور بیوی کی اصلاح کی کوئی صورت نہ دیکھ کر پھر ان کی طرف متوجہ ہونے کی ہمت نہ پائی۔ چندا بی بی کی عیش وعشرت کی طرف مائل طبیعت نے انہیں محنت کی طرف نہیں بلکہ روپیہ کی کثرت سے آمد کی خاطر رقص وسرور کی طرف مائل کیا حتیٰ کہ سیدانی بیٹی کو راجہ کے محل میں روانہ کرکے اپنی بیٹی کو حرام کاری کی حد تک پہونچا کر روپیہ عیش وعشرت کی خاطر حاصل کرنا

اس عورت کی فطرت نے گوارا اور منظور کر لیا۔ اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ عورت جب خیر کی طرف مائل ہوتی ہے تو ذریعہ تربیتِ حسنہ اولاد کو بام رفعت پر پہنچا دیتی اور جب فطرتِ بد اور حرص و ہوس کا شکار ہوتی ہے تو حصولِ زر کی خاطر خود ہی نہیں بلکہ اولاد کو تک مبتلائے زنا کر دیتی ہے۔ یہ ایک سبق ہے ہر شریف عورت کے لئے کہ دنیوی خواہشات اور روپیہ کی بیجا حرص سے بچ کر زندگی شوہر کے قابو میں رہ کر بسر کرنی اور اولاد کی صحیح تربیت کرنی چاہیئے اور شوہر کو خواجہ محمد حسین کی طرح اپنی اولاد کو بدعورت کے حوالے نہیں کرنا چاہیئے ایسے ہی نازک مواقع پر اسلام نے نسخہ طلاق استعمال جائز قرار دیا ہے۔ وہ مرد ہی کیا کہ بیوی کو اگر اپنے قابو میں نہ رکھ سکا تو کم از کم اپنی بچیوں کو بھی ایسی درندہ خصلت ماں سے بچا نہ سکا۔

بقول حضرت علامہ اقبالؒ

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور ؎ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی ؎ نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا ؎ اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

عورت کا دوسرا پہلو

اپنے آپ کو مظلوم سمجھنے والی اعلیٰ افکار خاتون چندا بی بی شوہر کے قابو میں نہ رہ کر اپنا دوسرا علیحدہ راستہ نکالا بھی تو دوسرا پہلو اور نمایاں نکتہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ بہرحال حرام کاری کے ذریعہ بھی روپیہ کمانے ان عورتوں کو مرد ہی کا سہارا لینا پڑا کبھی بھگتوں کا کبھی راجہ کا۔ اب دیکھئے حضرت اقبالؒ کیا فرماتے ہیں۔

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر ؎ غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق ؎ آتش لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود!
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات ؎ گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت ؎ نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

راجہ کے محل سے فراری اور اورنگ آباد میں ظہور ہ

چندا بی بی کے مرنے کے بعد میدہ بی بی اور اس کی دونوں بہنیں معہ نومولود مہتاب بی بی کے راجہ کے محل سے ترکیا اس قبضہ سے بھاگ نکلیں۔ بھگتوں کی تربیت سے موسیقی اور رقص میں ماہر ہوگئی تھیں۔ راستہ میں اپنے دونوں حقیقی بھائیوں کو بھی چھوڑ دیا اور برھان پور آئیں اور آصف جاہ اول کی فوجوں کے ساتھ اورنگ آباد پہنچیں۔ آصف جاہ اول نے سنہ ۱۷۲۱ء م ۱۱۲۲ھ میں برھان پور پر قبضہ کیا تھا۔ پھر یہ تینوں برھان پور سے اورنگ آباد جو آصفجاہی خاندان کا ابتدائی

پایہ تخت تھا۔ پہونچ گئیں اور اپنی اصلیت کو چھپانے اپنے نام پیشہ کی مناسبت سے بدل لئے۔ نوربی بی برج کنور بائی میدہ بی بی راج کنور بائی اور مہتاب بی بی مہتاب کنور بائی نام رکھ لئے اور ان ہی ناموں سے بحیثیت طوائفین رقص وسرور کے پیشہ میں مشہور اور شہرت یافتہ ہو گئیں۔

اورنگ آباد سے حیدرآباد میں

جب نواب نظام علی خان آصف جاہ ثانی نے اورنگ آباد چھوڑ حیدرآباد پایہ تخت بنایا تو یہ طوائفین بھی حیدرآباد پہونچ گئیں۔ پیشہ طوائفی کا چسکا لگ گیا تھا۔ ناچ گانے میں اس قدر ماہر ہو گئی تھیں کہ جلد ہی حیدرآباد میں شہرت ہوگئی۔ تھوڑے دنوں میں راج کنور بائی (میدہ بی بی) کے تعلقات آصفجاہی امراء سے بہت بڑھ گئے۔ اب راج کنور بائی (میدہ بی بی) نے اپنی بیٹی مہتاب کنور بائی سے جس کے حسن جمال کا شہرہ ہو گیا تھا بڑی خوبی سے رکن الدولہ مدارالمہام دولت آصفیہ کو دام فریب میں لاکر عقد کروادیا اور رکن الدولہ نے مہتاب کنور بائی کو صاحب جی صاحبہ کا خطاب دیا۔

چندا بائی (مہ لقا) کی پیدائش

اپنی بیٹی کو رکن الدولہ کے حوالے کر کے اب راج کنور (میدہ بی بی) نے بسالت خاں بخشی پر ڈورے ڈالے اور ان کے حرم کی زینت بن گئی۔ بخشی کا خاندان بلخ سے آیا تھا۔ ان کا اصلی نام بہادر خاں تھا ان کے جد امجد شاہجہاں کے زمانہ میں ہندستان آئے تھے۔ اور منصب دارانِ شاہی کے امراء میں داخل کرلئے گئے تھے۔ بہادر خان کو بسالت جاہ کا خطاب آصفجاہی سرکار سے ملا تھا اور منصب بھی۔ بہرحال راج کنور بائی نے بسالت جاہ کے حرم میں داخل ہو کر سنہ ۱۷۶۷ء میں ایک لڑکی کو جنم دیا جس کا نام اس کی نانی چندا بی بی کے نام پر چندا رکھا گیا۔ یہی چندا اس مضمون کی ہیروئن ہے جس نے نظام علی خان آصف جاہ ثانی سے عالم شباب میں مہ لقا کا خطاب پایا چندا کے دادا سلطان نظر کی شریعت کی پابندی اور رقص وسرور سے نفرت کا ذکر کیا جاچکا ہے جن کی پوتری نے طوائف کے روپ میں شہرت پاکر ایک زلزلہ مچادیا۔

چندا کی ولایت پر خوشیاں اور مبالغے

چندا کی ولایت پر بسالت خان کے محل میں شادیانے بجے عقیقہ کی رسمیں بڑی دھوم دھام سے منائی گئیں۔ خود شاہ وقت آصفجاہ ثانی کے حکم پر جو آرائش کی گئی اور جشن منائے گئے۔ بہ خوف طوالت ہمیں درگذر کر کے ہی آگے بڑھنا ہے مگر افسوس کے ساتھ یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ غلام حسین خان جوہر جو چندا مہ لقا کی جوانی میں اس کے عاشق زار تھے اور

"ماہ نامہ" میں لکھتے ہیں کہ چندا کی پیدائش پر کمرے میں نور پھیل گیا تھا جیسا کہ گوتم بدھ وغیرہ کی پیدائش کے وقت پھیلا تھا یہ مبالغہ ایک مسلمان اور عالم کے قلم سے ایک طوائف کی پیدائش کے بارے میں باعث شرم اور قوم کے زوال پذیر ہوتے اور عالم کے ذہنی غلامی کا اعلان ہے اس لئے علامہ حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر ☆ کہ دنیا میں فقط مردان حُر کی آنکھ ہے بینا
نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو ☆ آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم ☆ اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے

راج کنور بائی و مہتاب کنور بائی اب پارسا بن گئیں

راج کنور بائی (میدہ بی بی) نے اس نومولود بیٹی چندا کو بجواب بسالت سے ہوئی تھی اپنی پہلی بیٹی مہتاب کنور بائی پور راجہ سے ہوئی تھی اور مدار المہام سلطنت رکن الدولہ کے محل کی زینت بن کر لاولد تھی کے گود میں ڈال دیا اور پارسائی کی زندگی کا ڈھونگ رچانے لگی وقت کا زیادہ حصہ نماز روزے تسبیح و تسلسل میں گزارنے لگی اس اثنا میں رکن الدولہ کا قتل ہوا اب مہتاب کنور بائی بھی پارسا بن گئی ۔ یہ امر یقیناً اس نوبت پر بھی شگون نیک سمجھا جاتا اگر مہتاب نے اپنی بہن چندا کو جو اولاد کی طرح پالا تھا جو بعد میں مہ لقا ہوئی اسے طوائف کی تعلیم و تربیت دیکر طوائف نہ بنا ڈالا ہوتا اور میدہ بی بی پارسا بن کر تسبیح ہاتھ میں لئے دیکھتی اور خوش ہوتی رہی یہ تو وہی مثل ہوئی سات سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی ۔ مگر اپنی اولاد کو چوہے کھانے کے انداز و طریقے سکھا کر یعنی تحبہ چون پیر شود پیشہ کن دلالہ ۔ حضرت علامہ اقبالؒ ایسی عبادت اور پارسائی کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امین کا ☆ ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد

بہر حال راج کنور بائی (میدہ بی بی) کا ۱۷۹۲ء میں انتقال ہوا کرہ مولا میں دفن کی گئی چندا (طوائف) نے اپنی ماں کا مقبرہ اپنی نیک کمائی سے بنایا اور روز مقبرہ پر فاتحہ خوانی کو جایا کرتی اور شاید طوائف کے روپ میں جو نیکیاں راتوں کو سرزد ہوئیں اس کا بھی ماں کو حصہ مقبرہ پر جاکر پہنچا آتی ۔ کاش علامہ حضرت اقبالؒ کو اس وقت عالم وجود میں اسے سمجھانے لایا جاتا کہ اگر فاتحہ خوانی سے مقصد ایصال ثواب یعنی جنت کی خواہش اور جہنم سے چھٹکارا ہے تو

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

چندا بائی مہ لقا کا عروج

مہتاب کنور بائی نے اپنی بہنیں اور آغوشی دختر کو علم ادب راگ وسرور اور رقص کی ایسی تعلیم وتربیت دی اور چندا کی ذکاوت طبع اور حاضر دماغی ذکاوت نے بھی ایسا اثر قبول کیا کہ وہ چودہ سال ہی کی تکمیل پر ایک لاجواب طوائف کے روپ میں جلوہ گر ہوگئی حسن وجمال کا چرچا ہوگیا۔ اب نظام دکن نظام علی خان آصف جاہ ثانی والی سلطنت آصفجاہی نے ملازمت کے بہانے اپنے پاس رکھ لیا اور جب کو اس کی مہم پر گئے تو چندا کو بھی ساتھ رکھا۔ اس مہم کی واپسی پر جو نوروز کا جشن منایا تو اس موقع پر اس کو "مہ لقا" کے خطاب نوبت گھڑیال سے سرفرازی بخشی اب چودہ سالہ مہ لقا (۴۸) سالہ آصفجاہ ثانی کی مشیر تھی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ مسلمانوں پر پورے ہندستان میں انتہائی بدبختانہ اور پریشان کن وقت ہے اور ایک طوائف آصفجاہ ثانی کی مشیر بنی ہے اور شاہ اس کے پرستار بنے بیٹھے ہیں۔

حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

این مسلمان از پرستاران کیست؟ || در گریبانش یکے ہنگامہ نیست

ترجمہ ومطلب : اے عصر حاضر کے مسلمان تو آخر کس کا پرستار ہے ترے گریبان (یعنی سینہ) میں کوئی ہنگامہ نہیں یعنی قوم کے لئے بے چینی وفکر نہ ہی مذہب کا خیال وتصور۔

مہ لقا بائی چندا اور نظام دکن آصفجاہ ثانی کے دور کا سیاسی پس منظر

مہ لقا بائی چندا کا دور زندگی ۱۷۶۷ء م ۱۱۸۱ھ تا ۱۸۲۴ء م ۱۲۴۰ھ ہے جو بلحاظ سنہ عیسوی ۵۷ سالہ اور بلحاظ سنہ ہجری تقریباً ساٹھ سالہ دور کا احاطہ کیا ہوا ہے یہ دور مسلمانوں کے لئے سیاسی اعتبار سے بڑا خطرناک تھا قبل ازیں دہلی درباریوں کی شورش کی وجہ سے نادر شاہ کے حملے سے دہلی لرز گئی قتل عام کی وجہ سے خون کی ندیاں بہہ چکی تھیں اور دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی اس دور میں مغل خاندان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دادا شاہ عالم ثانی کا دور ۱۷۰۹ء تا ۱۸۰۵ء اور بہادر شاہ ظفر کے والد ابوالنصر معین الدین اکبر ثانی کا دور حکومت ۱۸۰۶ء تا ۲۸ ستمبر ۱۸۳۷ء ہے گویا مہ لقا نے دہلی کے دو برائے نام شہنشاہوں کا افسوسناک دور حکومت دیکھا۔ اس وقت ہندستان خصوصاً دہلی کے حالات محتاج بیان نہ تھے۔ ہندستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان گنت حکومتیں برائے نام عالم وجود میں آگئی تھیں۔ انگریزوں یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ۱۷۲۸ء میں بنگال پر ہو چکا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں انگریز بعد جنگ دہلی پر قابض

ہو چکے اور شاہ عالم ثانی نے بے بسی کے عالم میں ان سے معاہدہ کرکے ایک لاکھ خراج کے نام سالانہ کا وظیفہ خوار ہونا قبول کر لیا تھا۔ ہندوستانی قوم پر بڑی بے بسی اور بے چینی طاری تھی۔ آزادی کا شیر ٹیپو آزادی کے لئے مصروف کشمکش تھا۔ نواب نظام الملک آصفجاہ اول نے بڑی دانشمندی اور تدبر کا ثبوت دیکر دکن میں سنہ ۱۷۱۲ء میں سلطنت آصفیہ کی بنیاد ڈالی جس کو سلطنت مغلیہ کی شان و شوکت کی ایک جھلک باقی رکھنے کی کوشش کہا جا سکتا تھا۔ مقام افسوس ہے کہ ان کے ورثا میں اقتدار کی کشمکش میں کچھ وقت خراب ہوا پھر نظام علی خاں آصف ثانی کا دور حکومت جو سنہ ۱۷۶۱ء تا سنہ ۱۸۰۳ء تک پھر بعد ازاں اس کے فرزند سکندر جاہ آصفجاہ ثالث کا دور حکومت سنہ ۱۸۰۳ء تا سنہ ۱۸۲۹ء رہا یہ دونوں ادوار اب ہمارے زیر بحث ہیں گویا مہ لقا کی زندگی کا دوران دونوں آصفجاہی بادشاہوں کے ادوار حکومت سے وابستہ ہے جس وقت مہ لقا بائی چندا کی عمر چودہ[14] سال تھی آصفجاہ ثانی کی عمر ۴۸ سال تھی جب کہ وہ ان کی منظور نظر بن کر خطاب اور اعزازات سے نہ صرف سرفراز ہوتی رہی بلکہ یہ چودہ سالہ طوائف شاہ وقت کی مشیر کہلائی جانے لگی۔ جب ستر سال کی عمر میں آصفجاہ ثانی نے وفات پائی تو اس وقت چندا بائی مہ لقا کی عمر (۳۶) سال کی تھی لیکن بلحاظ شباب و ادا گویا وہ مہتاب دو ہفتہ ہی بنی ہوئی تھی جبکہ خود اس نے اس بارے میں کہا ہے۔

یہی امید ہے چندا کو خوبروں میں ؛ رکھے ہمیشہ ترا یا علیؑ کرم گستاخ

ایک طرف چندا آصفجاہ ثانی کی مشیر تو دوسری جانب ہندوستان کا سیاسی نقشہ خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر رہا ہے اور سلطان ٹیپو شہید گویا علامہ اقبال کی زبان میں اہل وطن کو یوں آواز دے رہا اور غیرت دلا رہا تھا کہ اے میرے ہم وطنو!

اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے ؛ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے ؛ سراپا درد ہوں حسرت بھری داستاں میری
میرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا ؛ وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو ؛ کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑا باغ میں گلچیں ؛ تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا ؛ چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں ؛ غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تو رہنا
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے ؛ عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے ؎ تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
پھرا کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں ؎ یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری ؎ اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو! رہنا
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو! ؎ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے ؎ جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

ادھر ہندوستان کا یہ دل ہلا دینے والا منظر تھا انگریزوں کا زور اور ہندوستان پر قبضہ بڑھ رہا تھا ٹیپو سلطان آزادی کے لئے ٹیرپ پکارا اور جد و جہد بھی تو دوسری طرف کانوں میں روئی رکھے آصفجاہ ثانی اور مہ لقا چندا بائی کی ہر روز کی بدمستیاں تھیں۔ ایسی بدمستیاں ان حالات میں بقول آصفجاہی خاندان کے آخری جانشین میر عثمان علیخاں کے شعر سے

شب دوشینہ کی بدمستیاں میں کیا کہوں ساقی ؎ نکل آیا ہے دن اور ہے ابھی خواب گراں باقی

کا ان پر الحاق ہو رہا تھا۔ نہ صرف شاہانِ آصفی بلکہ ان کے امرائے عظام صاحب ثروت صرف طوائفین کے طواف میں مصروف تھے اور پھر انگریزوں کے زیرسایہ زیراثر غلامی کے پھندے میں سرور بے خود گویا وہ کہہ رہے تھے کہ:

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی ؎ موسیقی و صورت گری و علم نباتات (اقبال)

مہ لقا بائی چندا بحیثیت شاعرہ

مہ لقا شاعرے کی محفلیں بھی منعقد کیا کرتی تھیں اور یہ اس کے عالیشان کوٹھی کمان ایلچی بیگ قریب میر عالم منڈی منعقد ہوا کرتے تھے محترمہ ثمینہ شوکت کی کتاب " مہ لقا " جو (۱۸۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں (۱۰۵) صفحات تک اس کے اور اس کے خاندان کے حالات اور تعریفات ہیں اور صفحہ (۱۰۶) سے ردیف وار مہ لقا کا کلام درج ہے جو نعتیہ کلام سے شروع ہوتا ہے۔ اور حضرت علیؓ سے بظاہر عقیدت پر مشتمل ہے جہاں نعتیہ کلام بہ ذات رسالت مآبؐ کا سوال ہے ایک پیشہ ور طرایف کی زبان سے نعتیہ کلام اور مسلمانوں کی زبان سے واہ واہ تو صرف توہین رسولؐ اور کمزوری ایمان کی ایک علامت ہی کہی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت سعدیؒ کا شعر فارسی لکھا جا چکا ہے کہ سو بار بھی زبان اور منہ کو مشک وغیرہ سے دھو کر نام محمدؐ لینا کمال بے ادبی ہے تو پھر ایک ناپسندیدہ پیشہ اختیار کرنے والی طوائف کی زبان سے نعتیہ کلام اور اس پر داد بقول حضرت اقبالؒ ۔

بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے ؎ پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

عقیدت یا گستاخی ؟

رسول اللہ صلعم کے علاوہ حضرت علیؓ سے مہ لقا بائی چندا کی عقیدت مانگ مطالبات و اپنا غرور حسن و ناز خودستائی دائمی حسن کی طلب

حضرت علیؓ سے اور اس انداز سے حضرت حیدر کرار حضرت علیؓ سے ناواجبی خواہشات کی طلبی کیا یہ حضرت علیؓ سے عقیدت کہلائے گی یا گستاخی قارئین تصفیہ کرسکتے ہیں ملاحظہ ہو۔

روبرو چندا کے ہو دسے کیا عجب ؎ مشتری و زہرہ و پروین کو مات
عمر بھر یوں ہی رہے حسن کا چندا جلوہ ؎ آرزو رکھتے ہیں یہ حیدر کرار سے ہم
گرمی وہ ہوئے حسن میں چندا کے یا علیؓ ؎ جلوے کو اسکے دیکھ کے بس لوٹ جائے برق
یہی امید ہے چندا کو خوبروں میں ؎ رکھے ہمیشہ ترا یا علیؓ کرم گستاخ
گنج کرم سے بخشے مولا کچھ اس قدر ؎ چندا کو ہو نہ پھر کسی زردار کی تلاش
یا علیؓ چندا کا ہوئے صفحہ دنیا پہ نقش ؎ جس قدر شاہوں کا قائم ہے نگیں پہ سرخ نام

نام تو شیطان کا بھی سردست قائم ہے۔ اسی انداز سے مہ لقا کے آخری شعر کی یہ خواہش پوری تو ہوئی۔ تاریخ گلزار آصفیہ تاریخ "ماہ نو" میں اس کا نام شاہوں امراء علماء کے ناموں سے وابستہ ہو کر رہ گیا مگر اس سے نہ اسے عزت ملتی ہے نہ شاہوں کو نہ امراء و علماء کو بلکہ ان سب کی ان نازک حالات و مواقع پر عیش و عشرت نے ان سب کو بشمول مہ لقا تاریخ کے اوراق پر بدنما دھبے بنا کر اجاگر کر دیا بقول اقبال

یوں ان کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں ؎ جو گھر کو پھونک کر دنیا میں نام کرتے ہیں

ان سب نے کردار کو پھونک دیا قوم کو پھونک دیا، آزادی کو پھونک دیا یہ تاریخ میں کس قدر شرمناک خونی دھبے ہیں اس سے زیادہ ہمیں مہ لقا کی شاعری پر تبصرہ کرنا نہیں ہے۔

بھاگ متی اور مہ لقا بائی میں فرق

بھاگ متی اور مہ لقا بائی چندا میں یہ فرق ہے بھاگ متی بھی ایک رقاصہ اور معشوق تھی مگر ایک بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کی اور مہ لقا بھی ایک رقاصہ اور معشوق تھی شاہان نظام آصفجاہی کے دور میں دو بادشاہوں کی یعنی پہلے باپ نظام ثانی نظام علی خاں کی پھر بیٹے نظام ثالث سکندر جاہ کی۔ پھر الامراء کی علماء کی دو حقیقی بھائیوں کی بہرحال ایک بہتی ندی تھی جس نے چاہا غوطہ لگایا استفادہ کیا۔ اب ہم کتاب "مہ لقا" کے چند سطور اپنے بیان کی تائید میں بحوالہ صفحہ جات پیش کرینگے۔

صفحہ ۴۶ (سکندر جاہ) نظام علی خاں کا ۱۲۱۸ھ م ۱۸۰۳ء میں انتقال ہو گیا ان کی وفات پر سکندر جاہ تخت نشین ہوئے۔ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سکندر جاہ نے مہ لقا کی سرپرستی کی۔ اکثر شاہی چوبدار مہ لقا کی خیریت پوچھنے آتے اور بعض وقت ایسے بزم خردی میں کئی دن رکے رہنا پڑتا تھا۔ یہ مہ لقا کے حسن کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کہ اس کی کشش نے رشتوں اور پیڑھیوں کے فرق کو مٹا دیا

تھا چنانچہ اس کے پرستاروں میں باپ بیٹا بھائی شامل تھے۔ کشش حسن نے ایسی چکا چوند پیدا کر دی تھی کہ رشتہ کا فرق و امتیاز بھی باقی نہیں رہا تھا۔ مہ لقا کی نستعلیقی چال ڈھال خوبصورتی سلیقہ اور رقص نے سکندر جاہ کا دل موہ لیا تھا۔ اس پر مستزاد مہ لقا کی حسین و شوخ ذہانت بھی تھی ایسی ہی شوخیوں کو دیکھ کر سکندر جاہ فرماتے تھے۔ " مانند مہ لقا بائی دیگرے باین کمالات پیدا شدنی مشکل است" جب بادشاہوں کی قدر دانی کا یہ عالم ہو تو امراء اور اعیان سلطنت کا حال کیا ہوگا ظاہر ہے مہ لقا کے آگے وہ آنکھیں بچھانے کو تیار تھے اس خصوص میں اسطو جاہ کا نام سب سے پہلے آتا ہے .... (صفحہ ۷۴) اس کے حسن ظاہر اسکی رسیلی آواز اور رقص کرتے ہوئے پاؤں پر ہزاروں ہی دل نثار رہے ہوں گے لیکن شاہوں اور امیروں نے دولت کا سہارا لے کر اسے اپنانے کی کوشش کی .... لیکن اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جاگیردارانہ سماجی نظام میں مہ لقا چاہتی تھی کہ ان جاگیردار اور منصب بخشنے والوں کی منظور نظر رہ کر جاگیر کے اعزاز سے محروم نہ رہ جائے ارسطو جاہ سے خواہش کرتی ہے۔

مدعا چندا کا ہے یہ اب ارسطو جاہ سے ؎ فیل و زر بخش تو کی عطا جاگیر بھی ہوشمار

چنانچہ اس کی یہ تمنا بھی پوری ہوئی اور اس کو اڈیکمیٹ کی جاگیر عطا ہوئی .... صفحہ (۴۹)

سال سوا سال کے اندر مہ لقا کے دو قدردان اس دنیا سے چل بسے یعنی نظام علی خاں آصفجاہ ثانی کی وفات کے ایک سال بعد ان کے مشہور وزیر ارسطو جاہ۔ مہ لقا کی خوش نصیبی سے .... میر عالم مدار المہام ہوئے۔ اب یہ مہ لقا کے پرستار ہو گئے۔ مہ لقا اس کے مصاحبین خاص میں شامل ہو گئی تھی۔ مہ لقا کی باغ و بہار شخصیت اسکی شگفتہ طبیعت اور حاضر جوابی سے میر عالم بیحد متاثر تھے ..... صفحہ (۵۲)۔ میر عالم کے انتقال کے بعد چندولال مدار المہام نے مہ لقا کو اپنے دل میں وہی جگہ دی جو میر عالم نے .... صفحہ (۵۳) مہ لقا کی اس حسین اور شوخ ذہانت نے جس طرح میر عالم کا دل موہ لیا تھا۔ چندولعل کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا .... چندولال کی بارہ دری .... میں مہ لقا حور بن کر آتی .... صفحہ (۵۵) چندولال کے چھوٹے بھائی گوبند بخش جو ضیائی تخلص کرتے تھے انہوں نے بھی رفتہ رفتہ اپنے جی کو مہ لقا کی محبت کا روگ لگا لیا تھا۔ صفحہ (۶۰ - ۶۱) راجہ راؤ رنبھا سلطنت آصفیہ کے رکن تھے۔ دولت آصفیہ سے راجگی کا خطاب ملا تھا۔ انہیں علم و نقارہ فیل و نشان ماہی مراتب وغیرہ تیز منصب سوار اور (۵۲) لاکھ کی جاگیر بھی عطا ہوئی تھی۔ راجہ راؤ رنبھا بھی مہ لقا کے بڑے قدردانوں میں سے تھے .... راؤ رنبھا بھی مہ لقا کے حسن و جمال پر فریفتہ تھے۔ مہ لقا کو ان کے سررشتہ سے تین ہزار روپیہ ماہوار ملا کرتے تھے صفحہ (۶۳-۶۴)

راجوں مہاراجوں کے علاوہ کچھ علماء بھی تھے جو مہ لقا کے پرستاروں میں شمار کئے جاتے ہیں ان میں "جوہر" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں .... کئی برسوں کے بعد جوہر کی ماہتابا ہاں سے مستفید ہونے کی آرزو بر آئی۔ صفحہ (۶۵) مہ لقا ان کے دل و دماغ پر مکمل طور پر چھائی ہوئی تھی "ماہ نامہ" ان کی کتاب اسی شیفتگی کا نتیجہ رہا ہے۔ صفحہ (۶۷) مذکورہ بالا مشاہیر کے علاوہ کئی سر برآوردہ طبیب بھی رہتے تھے جو مہ لقا کے متوسل رہ چکے تھے۔ ان میں سے ایک مشہور طبیب حکیم شیخ الزماں ہیں۔ صفحہ (۸۷) جوہر نے ماہ نامہ ۱۲۳۳ھ - ۱۸۱۸ء میں تکمیل کیا کہنے کو تو یہ سلطنت آصفی کی تاریخ ہے لیکن اس میں مہ لقا کے حالات جگہ جگہ ہیں اور ان کا وہ خلوص بھی جھلکتا ہے جو انہیں مہ لقا سے تھا۔"

مندرجہ بالا اقتباسات ہم کافی سمجھتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ قوم کی ناؤ منجدھار میں تھی۔ انگریز چھا رہے تھے اور یہاں آصفجاہ ثانی و آصفجاہ ثالث باپ اور بیٹے کا یکے بعد دیگرے ایک ہی عورت پر نثار ہونا استفادہ کرنا ایک جانوروں کی حرکت ہی شمار ہوگی کہ کس قدر اخلاقی مذہبی حیثیت سے صفر بن کر رہ گئے تھے پھر تمام امراء عظام علماء اور اطباء سب کے سب جیسا کہ اوپر حوالے دیئے گئے ہیں کس قدر شرمناک انداز اختیار کر گئے تھے اور قوم کے زوال میں ان کا اور عورت کا کیا رول و حصہ رہا ہے، محتاجِ بیان نہیں رہا۔ نتیجہ یہ کہ غلامی کا طوق گلے میں آرہا تب بھی نظام اور ان کے امراء عیاشی میں مصروف رہے اور قوم میں ایسی عورتیں پیدا ہو کر قوم کی روشن پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ اور ایسے مرد داغ بن کر زوال کو قوم کا مقدر بنا ڈالا۔

سُلطان ٹیپو شہید اور نظام دکن

شاہان نظام کے لئے ۱۷۹۹ء تو تاریخ میں ایک شرمناک سال ہے جب کہ نظام علی خان آصفجاہ ثانی عاشق زار مہ لقا بائی چندا نے اپنی فوجیں انگریزوں کی فوج کے ہمراہ ٹیپو سلطان کی شہادت میں مدد دینے روانہ کیں اور خود مہ لقا بائی چندا کو باہوں میں لئے عیش زملتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ ٹیپو کی شہادت اور میسور پر قبضہ بعد میسور کے بعض اضلاع سرکار نظام کو انگریزوں نے بطور حصہ یا بطور مدد دینے کا معاوضہ یا بطور صدقہ دے دیئے لیکن دوسرے ہی سال نظام کو ان اضلاع کو جنھیں اضلاع مفوضہ کہا جاتا تھا۔ انگریزوں کو واپس کرنا ہی پڑا اور مہ لقا بائی چندا کے عاشق نظام انگریزوں کے محکوم بن کر رہ گئے اور ٹیپو سلطان شہید ہو کر دائمی حیات پا گئے۔ تاریخ دونوں کا تا قیامت حضرت اقبال کی زبان میں یوں تقابل کرتی اور بہ بانگِ دہل یوں پکارتی رہے گی۔

آزاد کی اک آن ہے محکوم کا اک سال ؛ کس درجہ گراں سیر ہیں محکوم کے اوقات

آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت ؛ محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور ؛ محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید ؛ آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طرب ناک
آزاد کی دولت دلِ روشن نفس گرم ؛ محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش ؛ وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجہ افلاک

کاش نظام حیدرآباد اس قدر نہ گرجاتے نہ ماہ لقا چندا بائی ان نازک حالات میں قوم کی خدمت کے بجائے افراد قوم کو گمراہ اور عیش و عشرت میں مصروف رکھنے وقف ہوجاتی جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ ہر نازک حالات میں عورتوں نے مذہب و قوم کے لئے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیئے ہیں جس کا تذکرہ حصہ دوم میں آئے گا۔ بہرحال مہ لقا بائی چندا نے ۱۲۴۰ھ م ۱۸۲۴ء میں حسن دگناہ کے عارضی محشر بپا کر کے محشر اصلی کے بپا ہونے تک کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ کوہ مولا میں اب ایک لاکھ کے مقبرہ میں مدفون ہے شکر ہے کہ اس نے کوئی بیٹی جنم نہیں دی جو اس کی سیاہ کرتوت میں جانشین ہوکر اس کے پیشہ کو جاری رکھتی اس کے انتقال کے بعد کئی من سونا چاندی بہت سا قیمتی ساز و سامان جواہر لاقیمت اور کثیر دولت اس کی پروردہ لڑکیوں میں تقسیم کردی گئی۔

اللہ پاک کا مزاج

اللہ پاک اِک خاص مزاج کے حامل ہیں وہ ہر قوم کو ایک معینہ مدت تک اپنی صفت انصاف کی تکمیل کے لئے حکومت اور اقتدار عطا فرماتے ہیں اور اس وقت تک اس قوم کی بے اعتدالیوں کو بھی بڑی شانِ بے نیازی سے برداشت فرماتے اور انہیں سنبھلنے کے مواقع پر مواقع عطا فرماتے ہیں مگر قوم جب سنبھلنے کا نام نہیں لیتی اور باوجود مواقع عطا فرمانے کے اقتدار کے نشہ میں مخمور ہی رہتی ہے تو طوفانِ نزع کسی بھی انداز سے لے آتے اور انہیں ذلیل اور محکوم بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ سلطنتوں اور اقوام کے تختے الٹ دیتے اور پھر قرآن حکیم میں سورہ نجم میں فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے بس وہی ہے جو کچھ اس نے کوشش کی۔ پھر سورہ الرعد ۱۳۔ ۱۱ میں فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ کسی قوم کے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے خدا اسے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہ بدل دیں۔ اسلئے علامہ اقبال فرماتے ہیں :-

ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو ؛ تاریخِ اُمم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی!
ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اسکی ؛ بُرّاں صفتِ تیغ دو پیکر نظر اس کی!

زوال پذیر قوم کی آجکی عورتیں (وائے ما اے وائے ما وائے ما!)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عورتیں اور خوشبو میرے لئے محبوب بنائی گئی ہیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک صلواۃ میں رکھی گئی ہے۔ (نسائی)

دینی بیٹیو! ماؤں اور بہنو! کبھی تم نے یہہ بھی سوچا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں یعنی عورتیں (۲) خوشبو (۳) نماز کو ایکجا کیوں اکٹھا کیا؟ ــــــ نماز کے ذریعہ صبر استقامت حاصل کرنے اور نماز برائیوں سے روکنے کا قرآن یہ بانگِ دہل اعلان کرتا ہے۔ ایک اچھی عورت اور ماں وہی ہوتی ہے جو صبر استقامت کا مجسمہ اور اپنی اولاد کو برائیوں سے روکتی ہے اور دنیا میں اور قوم میں اسکے اوصافِ حمیدہ کی خوشبو پھیلاتی ہے۔ غور طلب امر یہہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین یعنی اپنی ازواج مطہرہ کے لئے یہہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے کہ میری ازواج اور خوشبو میرے لیے محبوب ہیں، بلکہ تمام عورتوں کو رحمت العالمین نے خوشبو کی طرح محبوب بتلایا۔ یعنی قیامت تک کی مسلم عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو کی طرح محبوب ہوگئیں۔ اب غور طلب امر یہہ ہے کہ کس نوعیت کی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہوسکتی ہیں اور ان کے اوصاف کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟ اسکا جواب "رموزِ بیخودی" میں علامہ اقبال مسلمان عصمت مآب عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

طینت پاکِ تو ما را رحمت است ؛ قوتِ دین و اساسِ ملت است
کودکِ ما چوں لب از شیر شست ؛ لا الٰہ آموختی اور انخست

ترجمہ ومطلب: (۱) اے مسلمان عصمت مآب خواتین تمہاری پاک طینت ہمارے لئے رحمت ہے اور تمہاری ذات دین اور قوم وملت کی اصل بنیاد ہے (۲) اے عصمت مآب خواتین! جب ہماری قوم کا بچہ اپنے لب سے تیری مقدس چھاتیوں سے دودھ پیتا ہے جس میں لا الٰہ سرایت کرچکا ہے تو اس کے لبوں سے لا الٰہ نکلتا ہے۔ تیرا دودھ پی کر تیری زندگی کا نمونہ دیکھکر وہ اسلام کے سانچہ میں خود کو ڈھال لیتا اور اسلامی اطوار انکار اور کردار تیرے آغوشِ مادری کے مکتب ہی سے جنم لینا شروع کردیتے ہیں۔ بہر حال ایسی ہی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک

خوشبو کی طرح محبوب رہیں گی جو اسلام اور ایمان کا ثمر نہ بن کر اسلام کی خوشبو اپنی اولاد کے ذریعہ قوم اور دنیا میں پھیلائیگی۔ آج کیا ہو رہا ہے؟ عورتیں عورت کے روپ خود کو مذہب سے دور اور ماں کے روپ میں اولاد کو مذہب سے دور کر رہی ہیں اور حمیت، شجاعت، صداقت، فقر اور خودی سے خود بھی دور اور اپنی اولاد کو بھی دور کر رہی ہیں۔ خود بھی دنیا اور دولت کی تمنا میں مبتلا اور اولاد کو بھی دنیا اور ظاہری دولت کا دیوانہ بنا رہی ہیں اور کردار سے نا آشنا۔ آج کی عورتیں دنیوی خواہشات کیلئے بظاہر نماز پڑھ کے مسلمانوں کے جیسے اپنے اور اپنی اولاد کے نام رکھکر ترسوا اور شیخ سدو اور شیاطین کو دنیاوی فراغت کے خیال کے تحت مان کر خود اپنا ایمان ہی غارت نہیں بلکہ اولاد کا یعنی افرادِ قوم کا ایمان بھی غارت کر رہی ہیں ــــ غیبتوں میں رات دن مبتلا رہتیں اور اولاد کو بھی غیبتوں کا عادی بنا کر رہی سہی نیکی کو بھی راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہیں۔ بہرحال اولاد کو ہمہ تن برائی کا مجموعہ بنا کر قوم میں عفونت پیدا کر رہی ہیں ــــ

جب ایسی عورتیں بروزِ قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گی یا پیش کی جائیں گی۔

لست منی گویدت مولائے ما ؛ وائے ما، اے وائے ما، اے وائے ما

ترجمہ اور مطلب :- ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ اے خواتین! تم میری امت سے نہیں ہو۔ وہ خواتین جب کہیں گی ہائے وائے ہم پر افسوس صد افسوس ہمارا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا ــــــ (ہمیں آگ سے بچانے والا کون ہے ؟)

بہرحال بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں قوم کی تعمیر میں عورت کا بہت اونچا مقام اور بنیادی حصہ رول ہے یعنی عروج میں اور زوال میں بھی ــ عورت کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

عورت قوم کی امین ہے اور افرادِ قوم کو قوم کے حوالے اچھے یا برے انداز سے کرنے والی ذات عورت ہی ہے۔ اگر اچھی عورت کا روپ بھر کر عورت کائینات پر چھا جائے تو بقولِ علامہ اقبال ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائینات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں